اندلس...فلسطین...کشمیر

بانگ

جموں کشمیر کے متعلق بھارتی منصوبوں کی نشاندہی

از

ڈاکٹر محمد قاسم حفظه‌الله

ناشر

مسلم دینی محاذ

جموں کشمیر

www.muslimdeenimahaz.com

نام کتاب	:	بانگ
مصنف	:	ڈاکٹر محمد قاسم حفظه الله
اشاعت	:	۲۰۱۵ء
تعداد	:	۵۰۰۰
قیمت	:	100 روپے

نوٹ: یہ کتاب مسلم دینی محاذ کی ویب سائیٹ
www.muslimdeenimahaz.com
پر بھی دستیاب ہے۔

ناشر

مسلم دینی محاذ

جموں کشمیر

فرمان الٰہی:

ترجمہ: یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر اِن سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں اُن کے اعمال دنیاوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہونگے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔(البقرہ ۔۲۱۷)

فہرست عنوانات

انتساب

مرحوم نور محمد صوفی المعروف نور کاندر کے نام جن کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی آج بھی ملتِ اِسلامیہ جموں کشمیر کی رہنمائی کر سکتی ہے۔

تقسیم ہند کے بعد وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو پہلی بار کشمیر کے دورے پر آئے تو لالچوک میں اُس نے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''حالات معمول پر آئیں گے تو ہم راج شماری کروا کے ہی دم لینگے۔ ہم نے آپ (شیخ عبداللہ) کی درخواست پر فوج بھیج دی ہے جب آپ کہیں گے تو ہم فوج واپس لینگے۔''

اِس روز نور محمد صوفی المعروف نور کاندر مرحوم مایسمہ اور لالچوک میں سر پر گاندھی ٹوپی اور دھوتی میں ملبوس ماتھے پر زعفرانی ٹیکہ لگا کے گھومتے رہے اور راہ گیروں اور دُکانداروں کو دو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے رہے۔ (یہ میرا چشمہ دید واقع ہے منشی غلام حسن: ندائے حق، ص ۱۹۹)

بی جے پی اور دوسری سنگھ تنظیموں کے نظریاتی منبع آر ایس ایس کے نیشنل ایگزیکیٹو کے ممبر اور سینئر لیڈر اندریش کمار نے کہا ''۲۰۱۴ء میں کھوئے ہوئے کشمیر اور کشمیریت کو ہندوستانی مین سٹریم (ہندتو) میں دوبارہ حاصل کرنے کا موقع میسر ہے۔''

''دہشت گردی، استحصال اور علاحدگی پسندیت کا سامنا کرنے والے جموں وکشمیر کے عوام کے لئے ہندوستاں کے رنگ میں رنگنے کا وقت آ گیا ہے۔''

(اندریش کمار، کشمیر عظمیٰ۔ ۱۸ نومبر ۲۰۱۴ء)

''مسلمانوں اور عیسائیوں کو دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے کے لئے تمام سہولیات دی جائیں گی۔ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور برطانوی پارلیمنٹ میں بھی اِسے منظور کیا گیا۔ اگر مسلمان اور عیسائی ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں تو اِنہیں ہندو بننا پڑے گا۔'' (راجیشور سنگھ سربراہ دھرم جاگرن سمیتی، کشمیر عظمیٰ۔ ۱۹ دسمبر ۲۰۱۴ء)

افتتاحیہ

برہمن اپنے اہداف کیسے حاصل کرتے ہیں!

ہندتو کا لفظ سب سے پہلے آر ایس ایس کے قائدین وی ڈی ساورکر اور سوریہ نارین راؤ نے کیا ہے مگر اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ ہندتو صرف آر ایس ایس کی فکر ہے اور اس پر ان کی اجارہ داری ہے۔ بلاشبہ آر ایس ایس اس کا سب سے بڑا داعی ہے مگر جہاں تک اسکی فکری اور نظریاتی بنیادوں کا تعلق ہے یہ تمام برہمنوں سے بالخصوص اور غیر برہمن ہندوؤں سے بالعموم متعلق ہے۔ یہ ممکن ہے حقیقت کے ایک ہوتے ہوئے بھی ہندوؤں کے مختلف طبقات اسکی تعبیر اور منہج یا طریقہ کار کے اعتبار سے باہم مختلف ہیں۔ لیکن جہاں تک حقیقت یعنی اصول اور ہدف کی بات ہے سبھی متفق و متحد ہیں۔

چنانچہ یہی سبب ہے کہ ہندتو کے سرخیل طبقات میں سے تین۔۱۔ بلاواسطہ ہندتو کے قائلین ۔۲۔ بالواسطہ ہندتو کے قائلین اور ۔۳۔ بنیادی ہندتو کے قائلین اصول اور ہدف میں متحد و متفق ہوتے ہوئے بھی تعبیر و طریقہ کار میں مختلف ہیں۔ ان میں بلا واسطہ ہندتو کے قائلین میں نمایاں ترین داعی سنگھ پریوار ہے۔ بلواسطہ ہندتو کے قائلین میں نمایاں ترین داعی کانگریس ہے اور ہندتو کے قائلین میں نمایاں ترین داعی کمیونسٹ (ML) ہے۔

دشمن قوم میں آلہ کار بنانے کا برہمنی طریقہ کار:

ہندتو کی ایک عجیب و غریب میکانکیت ہے اسکے تحت ہندتو کے علمبردار برہمن اپنے شدید مخالفین کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے یا اس کو ضم کر لینے کی کوشش کرتے

ہیں۔لیکن یہ عمل اس طرح سے ہوتا ہے کہ انضمام کا یہ سارا عمل بظاہر تحسین وتعریف معلوم ہو۔اس عمل کی دوصورتیں ہیں:

ا: پہلی صورت یہ ہے کہ برہمن اپنے مخالف چیلنج دینے والی قوت کے اندر سے کسی فرد کو آلہ کار بنانے کیلئے اسے تحسین وتعریف کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتے ہیں('امام الہند' مولوی ابوالکلام آزاد' شیر کشمیر ڈاکٹر' شیخ محمد عبداللہ) حتیٰ کہ اسے اپنے دیوتاؤں کا اوتار قرار دیا جاتا ہے اور پھر ہندتو کے مقاصد کے حصول کیلئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس کی بھی دوذیلی صورتیں ہیں:

ا: پہلی صورت میں دشمنوں کے ایک فرد کو تحسین وتعریف کے ذریعہ آلہ کار بنا کر اوراسے اوتار قرار دے کر اسکی قوم کے خاتمے کی کوشش کی جاتی ہے۔اورخوداس فرد(افراد) کے ذریعہ اس کی اپنی قوم کو نہایت بربریت سے ختم کروایا جاتا ہے۔(کشمیر کے بھارت نواز سیاست کار، انتظامیہ کے اعلیٰ حکام اور پولیس افسران) اس سے دوفائدے ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ کہ ہندتو کے علمبردار برہمنوں کو اپنی طاقت کم صرف کرنی پڑتی ہے۔دوسرا فائدہ یہ کہ مخالف قوم خودآپس میں منقسم ہوجاتی ہے اورقومی اورملی بنیادوں پر متحدہ قوت کا استعمال کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

اس کی بہترین مثال پرشورام کی ہے جس کے ذریعہ پہلے اسکی اپنی چھتری ماں کینو کوقتل کروایا گیا پھر اسے وشنو کا چھٹا اوتار قرار دے کر اسے کارتہ ویریہ کے چھتری راجہ ہے ہیاس کو تباہ کرنے کیلئے استعمال کیا گیا پھراس کے بعداس کے تحت باضابطہ عظیم لشکر تیار کرکے پوری چھتری قوم کا قتل عام کروایا گیا(جس طرح اس وقت کشمیری پولیس کے ذریعہ کشمیریوں کوقتل عام کروایا جارہا ہے)۔

ایمرجنسی میں بربریت کے اقدامات کرنے سے قبل (اور بطور خاص مسلمانوں کی جبری نسبندی کے اقدامات سے قبل) فخرالدین علی احمد کوصدر بنانا،سکھ

مسئلے کوحل کرنے اور خالصتان تحریک کا قلع قمع کرنے کیلئے ذیل سنگھ کوصدر اور بوٹا سنگھ کو وزیر داخلہ مقرر کرنا، 1989ء میں کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے کیلئے بھارتی افواج کوخصوصی اختیارات دینے سے پہلے مفتی محمد سعید کو وزیر داخلہ مقرر کرنا محض اتفاق نہیں۔

۲: دوسری صورت کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب:

ا) ہندوقوم کو عوامی تحریک (Mass Mobilisation) کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ب) ہندوقوم کو اپنے اردگرد مغلوب قوموں سے رقیبانہ خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔

ج) جب ہندوقوم یہ سمجھتی ہے کہ اس کی براہ راست قیادت انہیں مشکوک بنا سکتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں وہ ذیلی مغلوب قوموں سے آلہ کار بناتی ہے، اسکی تعریف و توصیف کر کے اسے مقام بلند پر فائز کرتی ہے (غیر برہمنی 'مہاتما' گاندھی، غیر برہمن 'مہاپرش' مودی)۔ حتیٰ کہ ان میں بعض کو اوتار کے مقام بلند پر فائز کر دیتی ہے اور اس طریقہ سے مذکورہ کام اس سے لیتی ہے۔ (گاندھی سے برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کا کام اور مودی سے بھارت کو ہندوراشٹر بنانے کا کام) یہ طریقہ برہمنوں کے کامیاب طریقوں میں سے ایک ہے۔

چنانچہ 550 ق م میں ہندوستان میں برہمنوں کی ہندتو کو پوری طرح اکھاڑ پھینکا گیا۔ ہندتو کے مخالفین کی حکومت مگدھ میں 600 ق م میں قائم ہوئی اور یکے بعد دیگرے ہندتو کے مخالفین کی حکومت رہی۔ ان ہندتو کے مخالفین کی سب سے عظیم الشان حکومت نند خاندان کی قائم ہوئی، چونکہ یہ شودروں کا خاندان تھا اس لئے برہمنوں نے اس عہد کا خاتمہ کرنا چاہا کیونکہ اس سے برہمنوں کی مذہبی، سیاسی، معاشی، سماجی اور علمی قیادت متاثر ہوگئی تھی۔ برہمنوں کے مظالم سے ہزاروں سالوں

سے کچلی جانے والی قوموں نے نہ صرف یہ کہ برہمنوں کی سیاسی اور مذہبی اجارہ داری سے خلاصی پالی تھی اسکے لئے ان کو گوتم بدھ اور مہاویر جین کے افکار اور نظریات نے سہارا دیا تھا۔ اب وہ ویدک عہد اور مہا کاویہ عہد کے مقابلے میں زیادہ مضبوط پوزیشن میں تھے مگر برہمنوں کے غیر معمولی دماغوں نے اس مضبوط قلعہ کو توڑنے کے آلہ جات تیار کئے۔ مگدھ سے دور تکشلاً میں پوری سازشیں تیار کی گئیں اور ایک شودر چندر گپت موریہ کو اس Mass Mobilisation اور مہم کیلئے استعمال کیا گیا۔ چندر گپت کی آڑ میں کوٹلیہ نے برہمنوں کا Counter Revolution برپا کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بودھ مذہب کی قوت مدافعت عود کر آئی اور چندر گپت کے پوتے اشوک نے پھر برہمن واد کو شکست دے دی۔

عہد وسطیٰ میں مغل خاندان کے خلاف شیوا جی کو ابھارنا اور پھر بعد میں شیوا جی کے خاندان کی آڑ میں پیشواوں کی حکومت کا قیام اسی قبیل کی چیز ہے۔ شیوا جی اصلاً نچلی قوم کا ایک فرد تھا۔ ماضی قریب میں موہن داس کرم چند گاندھی اور بھیم راؤ امبیڈکر (اب نریندر مودی) اس عمل کی اعلیٰ مثال ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ہندتو کی قوتوں نے انگریزوں سے مفادات کی بنیاد پر ربط تو قائم کرلیا اور پوری ایک صدی تک برہمن اپنی براہ راست قیادت احیاء کی کوشش کرتے رہے (جس طرح شیام پرساد مکھرجی، اٹل بہاری واجپائی اور لال کرشن ایڈوانی 1950ء سے 2014ء تک کرتے رہے) لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ رام موہن رائے، دیوندر ناتھ ٹھاکر، سوامی دیانند سرسوتی، راج نارئن بوس، بنکم چندر چٹوپادھیائے، بال گنگا دھر تلک، بپن چندر پال، سوامی ویویک آنند، اروندو گھوش، رام تیرتھ، رویندر ناتھ ٹھاکر، گووندرانا ڈے، سریندر ناتھ بنرجی، مدن موہن مالویہ، گوپال کرشن گوکھلے، کی کوشش قوم کو جگا تو سکتی ہیں لیکن عام بیداری پیدا نہیں کرسکتی۔ انہوں نے محسوس کر

لیا کہ یہ بیداری رقیب قوت سے محاذ آرائی کیلئے کافی نہیں اور برہمن مغلوب قوموں کو Mobilise نہیں کر سکتے لہٰذا ان کی آنکھیں کسی ایسے شخص کی تلاش کرنے لگیں جو صدیوں سے چلے آرہے اس عمل کی ذمہ داری قبول کرلے اور غیر برہمنوں میں سے ہو۔ چنانچہ ایک شخص پر ان کی نظر پڑی جو جنوبی افریقہ میں غیر معروف زندگی گزار رہا تھا لیکن اس میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے جس کی تلاش انہیں تھی...... یعنی:

۱) ہندو فلسفے سے آگاہ ہونا (۲) معاصر عہد سے آگاہ ہونا (۳) غیر برہمن ہونا (۴) غیر چھتری ہونا (۵) آمادہ کار ہونا۔ (نریندر مودی میں بھی یہی اوصاف سنگھ پریوار نے پائے ہیں)۔

لہٰذا اسے بلایا گیا اور اچانک ایک ہی جست میں اسے برصغیر جیسے ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کا مطلق العنان قائد بنادیا گیا دنیا کی تاریخ میں قیادت سونپنے کی ایسی مثال جیسے 1915ء (گاندھی 1915 میں جنوبی افریقہ سے بھارت وارد ہوئے) میں ہندوستان میں سامنے آئی نہیں ملتی، پوری برہمن جمعیت اس فرد کے سائے میں آگئی۔ چونکہ یہ ایک سوچا سمجھا عمل تھا اس لئے نہ ہی اس شخص کی ناتجربہ کاری کا سوال اٹھایا گیا نہ اس سے کوئی رقیبانہ کشاکش ہوئی بلکہ تلک، مالویہ، گھوکھلے، اروند، ٹیگور، سی آر داس، موتی لال نہرو جیسے اساطین تک نے اسے بطیّب خاطر قبول کرلیا۔ دوسری مثال: غیر برہمن نریندر مودی اچانک بھارتی سیاست کے سب سے بڑے قائد کے طور کیسے سامنے آگئے! ایک ایسا شخص جسکی 2002ء تک بھارت میں ریاستی سیاست میں بھی کوئی خاص شناخت نہیں تھی وہ صرف 12 سال کی مختصر مدت میں بھارت کا مطلق العنان وزیراعظم بن جاتا ہے اور بانیان بھاجپا اٹل بہاری واجپائی اور لال کرشن ایڈوانی جیسے قائد بھی اسکو قائد تسلیم کرتے ہیں! سادہ لوح لوگ بھارت کی معاشی ترقی کیلئے اسکی قیادت کو ناگزیر بتاتے ہیں تعجب ہے ایک

چائے فروش کی ذات بھارت کی معاشی ترقی کیلئے کیسے موثر ثابت ہوسکتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ نریندر مودی بھارت کی برہمنی قیادت کیلئے قابل اعتماد اور فعال غیر برہمن آلہ کار ہیں ۔ بھارت کے برہمن جن کی فکری، نظریاتی ، سیاسی اور سماجی نمائندگی آر ایس ایس کررہی ہے اس غیر برہمن کے ذریعے ہندتو کے اہداف کو حاصل کرنا چاہتی ہے، بھارت میں چونکہ 85فی صد غیر برہمن ہیں (دلت 20فی صد، قبائیلی 10فی صد، مسلمان 15فی صد، نچلی ذات 35فی صد، عیسائی، بودھ اور جین 5فیصد) اسلئے بھارت میں ہندومت کے احیائے نو ، ہندتو کی ترویج اور ہندو راشٹر کی تعبیر کیلئے نریندر مودی برہمنوں کے انتہائی موثر آلہ کار ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی کرکے اس نے اپنی اسلام اور مسلمان دشمنی اور دہشت پسندی کی جو مثال پیش کی ہے اس سے اس کو بھارتی وزارت عظمیٰ کی کرسی بھی حاصل ہوگئی ہے۔

جب گاندھی کو بھی ایک مرحلے میں محسوس ہوا کہ ان کی اپنی Mobilisation بھی ضروری حد تک کامیاب نہیں ہورہی ہے تب اسی طریق کار کا استعمال کرتے ہوئے ایک مقوی کا استعمال کیا گیا اور اس دوسرے آلہ کار کے اوپر بھی تعریف وتوصیف کے خزانے لٹادئے گئے۔ وہ آلہ کار بھیم راؤ امبیڈکر تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ برہمنوں کا قافلہ جو انیسویں صدی سے آگے بڑھ رہا تھا کبھی بھی قوت نافذہ کا حصول نہیں کرسکتا تھا اگر یہ دو شخصیتیں نہ ہوتیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب مخالف ومتصادم قوت باوجود کوشش کے ختم نہ ہو اور بظاہر اس کا خاتمہ کرنا ممکن نظر نہ آئے تو برہمن ایک اور طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔ اس کے تحت دشمن فکر کے قائد کو ہندتو کے کسی دیوتا کا اوتار مان کر اسے ہندتو کا حصہ بنادیا جاتا ہے، یا اس کی کوشش ہوتی ہے۔ چنانچہ اسکی طویل تاریخ ہے انہوں نے

ہرزمانے میں کسی ایسی صورت حال کو برپا ہونے کے بعد ایسا ہی کیا ہے۔عام طور پر اسکو وہ برہما، وشنو اور شیو میں سے وشنو کے اوتار کی حیثیت سے داخل کرتے ہیں۔عموماً اس کے ذریعے مخالف فکر کو اپنے اندر داخل کر کے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور اس میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے رام، کرشن اور گوتم پہلے ہندومت کے اوتار قرار پائے پھر ان کے عقیدت منداور پیروکار از خود ہندوازم کے گنجان جنگل میں داخل ہوجاتے ہیں۔گذشتہ ایک سو سال میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وشنو کا اوتار مان کر اسلام کو ہندوازم کے اندر داخل کرنے کی متعدد کوششیں ہوئی ہیں۔

ہند میں اسلام کی آمد کے بعد برہمنوں کا مقابلہ ایک غیر معمولی قوت سے ہوا۔خود برہمنوں کی تاریخ میں کسی ایسے مقابلے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔چنانچہ اسلام کی غیر معمولی قوت نے برہمنوں کے کس بل نکال دئے اور اسلام نے ان کو اچھی طرح اجازت شریعت کی حد تک مغلوب بنادیا چونکہ بزور ان کو مسلمان بنانے کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے اس لئے وہ جبراً اسلام میں داخل نہیں کئے گئے۔

1885ء سے ہندتوا کی احیاءنو کا اہم دور شروع ہوتا ہے جو پھر 1947ء میں فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوگیا۔چنانچہ 1896ء کے کانگریس سیشن میں بنکم چندر چٹر جی نے ہدف کا پہلا اعلان کی اور وہ تھا Vande Mataram۔یہ آنند مٹھ کا ایک گیت ہے۔لیکن ہندتو کی سب سے واضح اور موثر آواز بکرمی سمبت 1959ء میں رویندر ناتھ ٹھاکر کی ابھری۔یہ آواز اتنی زوردار اتنی مسحور کن تھی اور ہندتو کے جادو سے بھری ہوئی تھی۔

1906ء میں کلکتہ کانگریس سیشن میں ایک فیصلہ لیا گیا۔وہ فیصلہ تھا: سوراج کا حصول، تب یہ ایک ذو معنی اور مبہم اصطلاح رہی ہوگی جس کا ظاہر انگریز حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنا اور ملک کو آزاد کرانا تھا لیکن جس کا باطن ہندتو کیلئے قوت

نافذہ حاصل کرنا تھا۔

1930ء کے بعد اور بطور خاص 1935ء کے بعد برہمنوں کی ہندتو کی فکر نے Pincer Attack کی حکمت عملی اختیار کر لی۔ اس کا ایک بازو گاندھی کی سربراہی میں کام کرنے لگا اور دوسرا کیشو بلی رام ہڈگوار کی سربراہی میں۔

ہندتو کا وہ دستہ جو گاندھی کی سربراہی میں کام کر رہا تھا بالواسطہ ہندوانے کے طریقہ پر عمل پیرا تھا۔اس Indirect Indianisation کا ظاہری ہدف بھارتیہ Composite Culture کا قیام تھا اور اس کا ذریعہ سیکولرزم اختیار کیا گیا۔ اس طریقے میں ان تمام عوامل کی منضبط کارفرمائی ملتی ہے جس کا ذکر ہندتو کی ترکیب وعمل میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ چونکہ ملک کی باگ ڈور اسی دستے کے ہاتھوں میں آئی اور یہی دستور سازی سے لے کر 2014ء تک حکومت بھارت پر حاوی رہا ہے اس لئے اس کا بالواسطہ ہندوانے کا عمل ہمہ گیر ہی نہیں بلکہ قوت نافذہ کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ انتظامیہ، عدلیہ اور مقنّنہ کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر گوشے میں یہ عمل موثر رہا۔ دوسرے دستے کا جو بلا واسطہ ہندوانے Direct Hinduisation کے طریقے پر عمل پیرا تھا کا ظاہری ہدف ہندوراشٹر کا قیام قرار دیا گیا۔اسی دوسرے دستے کیلئے اس وقت نریندر مودی کام کر رہا ہے۔

بانگ

جموں کشمیر کے مسلمانوں سے جب یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا کیا حل ہے تو اُن کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ جموں کشمیر بھارت سے آزاد ہو۔ اِسی طرح بھارتی حکمرانوں، سیاست کاروں، دانشوروں، ذرائع ابلاغ سے وابستہ ذمہ داروں، پولیس و سراغ رساں اداروں کے موجودہ اور سابق عہدیداروں کی نظروں میں بھی مسئلہ کشمیر کا ایک حل ہے وہ یہ کہ جموں کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے، ظاہر ہے ایسا وہ اعلانیہ طور نہیں کہتے، مگر عملاً وہ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی اِس 'حل' پر کام شروع کر چکے ہیں، اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے انڈین نیشنل کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے درمیان قائم ہوئے تعلقات اِس بات کی صریح شہادت ہے کہ کانگریس کی قیادت نے اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی کشمیر کو اپنی اکھنڈ ہندو بھارت (آریہ ورت، بھارت ورش) کی سکیم میں شامل کیا ہوا تھا۔ کانگریس پارٹی اور بھارتیہ جنتا پارٹی دونوں اپنے بانی قائدین کے اِس حل پر منصوبہ بند طریقے پر کام کر رہی ہیں، فرق صرف یہ ہے جو کام کانگریس غیر محسوس انداز میں بتدریج خاموشی کے ساتھ ہاتھوں میں گلدستہ لے کر کرتی ہے وہی کام بھاجپا جارحانہ طور ہاتھوں میں ترشول لے کر سرعت کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ اِن سامراجی منصوبوں کی جموں کشمیر میں بھارت نواز سیاسی جماعتیں، یہاں کی بیروکریسی (جس کی قیادت بھارت سے یہاں آنے والے IAS افسران کر رہے ہیں)، پولیس (جس کی قیادت بھارت سے یہاں آنے والے IPS افسران کر رہے ہیں)، سراغرساں ادارے، عدلیہ اور دیگر سبھی ریاست کے حکومتی ادارے تعمیل کر رہے ہیں۔ کسی ریاست کی

اکثریت کو وہ بھی جب یہ اکثریت سات سو سالہ مذہبی ،تہذیبی ، سیاسی ،علمی ،ثقافتی ، معاشی اور معاشرتی تاریخ رکھتی ہو چند مہینوں یا سالوں میں اقلیت میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اِس لئے اِس طرح کے سامراجی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کبھی نصف صدی یا ایک صدی یا پھر اس سے بھی زیادہ مدت درکار ہوتی ہے۔ چونکہ بھارت کی مرکزی سیاست میں اب کانگریس کی طویل حکمرانی کے بعد بھاجپا نے اپنی اننگ شروع کی ہے آثار وقرآئین بتا رہے ہیں بھاجپا کی یہ اننگ پندرہ یا بیس سال تک چل سکتی ہے، اِس لئے کانگریس کے روایتی Silent Imperialistic اپروچ کی جگہ بھاجپا کے کشمیر کے متعلق Imperialistic Aggressive اپروچ پر کام شروع ہو چکا ہے۔ اگراللہ نہ کرے جموں کشمیر پر مزید پچاس یا ساٹھ سال تک (۲۰۷۰ء تک) بھارت کا قبضہ برقرار رہتا ہے تو بالکل یقینی بات ہے جموں کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی پھر مسلمانوں کی مذہبی ، معاشی، زرعی ،معاشرتی اور تعلیمی حالت کیا ہوسکتی ہے اِسی تشویشناک مستقبل پر ہم اِس تحریر میں گفتگو کریں گے انشاءاللہ، تاکہ ملتِ اِسلامیہ جموں کشمیر اندلس اور فلسطین میں مسلمانوں کے شاندار ماضی اور بدترین حال سے آگاہی حاصل کر کے بھارتی حکمرانوں کے جموں کشمیر کو ''ہندو تیرتھ'' بنانے کے سامراجی منصوبوں کی علمی وعملی مزاحمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے۔

ہم پہلے اندلس اور فلسطین کا بالکل اختصار کے ساتھ ماضی اور حال بیان کریں گے پھر ہندو، ہندتو، ہندوراشٹر اور کشمیر کے متعلق بھارتی عزائم پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

اندلس (اسپین)

اندلس کا مشرق سے مغرب کی جانب زیادہ سے زیادہ طویل چھ سو پینتیس اور شمال سے جنوب کی جانب زیادہ سے زیادہ عرض پانچ سو دس میل ہے۔ اندلس میں قوطیوں (قوم گاتھ) نے شیوائی اور الانی حکومتوں کو تباہ کر کے ۵۳۴ء میں پورے اندلس پر اپنی حکومت قائم کی۔ قوطیوں کے عیسائی حکمران وٹیزا (witza) کو ارباب کلیسا کی سازشوں کے وجہ سے تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اِس طرح قوطی نسل سے باہر ایک شخص راڈرک اِس کا جانشیں ہوا، تاہم اِندلس کے ساحلی علاقے کا گورنر کاونٹ جولین جو witza کا داماد تھا اپنے عہدے پر برقرار رہا۔ راڈرک کے شاہی محل میں کاونٹ جولین کی بیٹی کی تعلیم وتربیت ہورہی تھی۔ جب وہ جوان ہوئی تو راڈرک نے اِس کی عصمت کو داغ دار کر دیا، بیٹی نے اپنے باپ کو اِس بارے میں بتایا اِس نے راڈرک کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے شمالی افریقہ کے اِسلامی حکومت کے عرب حکمرانوں کے ساتھ اندلس پر حملہ کرنے کی بات چیت شروع کی۔ جولین نے موسیٰ بن نصیر سے بھی اِس سلسلے میں مراسلات کی۔ موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ء۔ ۷۱۵ء) سے اجازت طلب کر کے پہلے طریف بن مالک اور پھر طارق بن زیاد کی سپہ سالاری میں ایک عظیم الشان لشکر اندلس پر حملے کے لئے روانہ کیا۔ اِس لشکر کی مدد حسب وعدہ کاونٹ جولین نے کی۔ یہ لشکر پانچ رجب ۹۵ھ کو اندلس کے ایک پہاڑی پر اُترا جو بعد میں (Gibralter) کے نام سے موسوم ہوا۔ راڈرک کی ایک لاکھ افراد پر مشتمل فوج کا بارہ ہزار مجاہدین سے مقابلہ وادی لکہ (The Guadalate) کے دائیں جانب مقام شریئس (xeres) میں ہوا۔ راڈرک کی

پسپائی اور اِس کے فرار ہوتے ہی اِس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ۷۱۱ء کے موسم گرما کے اختتام تک طارق بن زیاد اندلس کے نصف حصے پر قابض ہو گئے ۔۷۱۲ء میں خود موسیٰ بن نصیر نے اندلس کا رُخ کیا اور پھر دونوں سپہ سالاروں نے دو سال کے اندر اندر تقریباً پورا اندلس (بشمول موجودہ پرتگال اور شمال کے جبل Pyreners تک) فتح کر لیا ۔ ۷۱۱ء سے ۷۵۶ء تک اکیس مسلمان حکمرانوں نے اندلس پر حکومت کی پھر یہاں ۷۵۶ء سے اموی سلاطین کا دور حکومت شروع ہوا، اور پہلے اموی حکمران عبدالرحمان الداخل (۷۵۶ء) سے آخری اموی حکمران ہشام بن محمد (۱۰۳۶ء) تک تقریباً ۲۸۰ سال تک اموی سلاطین نے اندلس پر حکومت کی ۔ پھر اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد اندلس بیس سے زائد ریاستوں میں تقسیم ہو گیا جنہیں دول ملوک الطّوائف کہا جاتا ہے۔

اندلس کے مسلمان تین گروہوں میں تقسیم تھے ۔عرب ، بر براور اندلسی مسلمان ، پھر عرب بھی کلبی وقیسی ، یمنی وشامی وغیرہ بے شمار گروہوں میں تقسیم تھے۔ سب قبائل اور گروہوں کے درمیان مستقل آویزش اور کشمکش بر پا رہتی تھی، نو مسلموں کو پیدائشی مسلمانوں سے، غیر عربوں کو عربوں سے، عرب اور بر بر نسلی عصبیت بھی انتشار اور افتراق کا ماحول تیار کر رہی تھی ۔ (جس طرح جنگِ عظیم اول کے دوران عرب اور ترک عصبیت نے خلافتِ عثمانیہ کی تباہی کے لئے ماحول تیار کیا) اِس افتراق اور انتشار سے شاطر دماغ عیسائی حکمران بھر پور فائدہ اُٹھاتے تھے جن کی ریاستیں شمال میں موجود تھیں، اِس مسلمانوں کے باہمی نفاق اور افتراق اور کشت وخون سے فائدہ اُٹھا کر عیسائی حکمران اپنا اقتدار مستحکم کرتے رہے، ایک مسلمان ریاست کو دوسری مسلمان ریاست سے لڑاتے رہے (عربوں کی ترکوں کے خلاف انگریزوں کی طرف داری، نظام حیدر آباد کی ٹیپوں سلطان والیِ میسور کے خلاف انگریزوں کی طرف

داری) کبھی ایک کی پشت پناہی کرتے کبھی دوسرے کی اسطرح ایک ایک کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ہڑپ کرتے رہے (آج بھی امت مسلمہ کی پستی اور زوال کے لئے شرک کے بعد قومی ،وطنی،نسلی،اور لسانی جاہلی عصبیتیں ہی ذمہ دار ہیں ،اِنہی عصبیتوں نے ایک ارب ستر کروڑ مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر سیاسی طور بے وقعت بنادیا ہے)۱۰۸۵ء میں الفونسو ششم نے طیطلہ پر قبضہ کرلیا اور پھر تیرھویں صدی کے نصف تک غرناطہ کو چھوڑ کر پورا اسلامی اندلس عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ۱۰۸۵ء میں طیطلہ ، ۱۲۳۶ء میں قرطبہ اور ۱۲۴۸ء میں اشبیلیہ جیسے تاریخی اِسلامی شہروں پر عیسائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا تھا۔پندرہویں صدی میں غرناط شہر جواب اِسلامی اندلس کا آخری علامت تھا کے بنو احمر سلاطین آپس میں لڑنے لگے ۔۵۲ نومبر ۱۴۹۱ء کو عیسائیوں نے غرناط کا محاصرہ کیا۔ریاست کے حکمران ابوعبداللہ محمد نے عیسائی حکمران شاہ فرڈی نینڈ چہارم اور ملکہ ازابیلہ اور اُن کی فوجوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ''حصول امن'' (سامراجی طاقتیں جب امن کا لفظ استعمال کرتی ہیں اِس کے معنیٰ مظلوم ومحکوم قوموں کی غلامی پر آمادگی ہوتا ہے)۔(اوسلو سے لے کر دہلی معاہدہ سب ''امن معاہدے'' (غلامی پر آمادگی) ہی ہیں) کے لئے ہتھیار ڈال دینے کے معاہدے پر دستخط کردئے۔اِس ''صلح نامہ'' کے تحت ابوعبداللہ محمد نے یہ وعدہ کیا تھا کہ سات روز کے اندر وہ غرناطہ شہرالحمرا کا قلعہ اور تمام سامانِ جنگ عیسائیوں کے حوالے کردے گا۔ابوعبداللہ محمد نے اپنے وزیر ابوالقاسم عبدالملک کو خفیہ طور پر فرڈی نینڈ کے پاس بھیجا جورات کو قلعہ سے باہر جا کر عیسائیوں سے ملاقات کرتا اور ''صلح نامہ'' کی شرائط طے کیا کرتا تھا۔(کشمیر میں بھی ''امن کی دیوی'' بے حد مقدس اور مقبول بن گئی ہے تقریباً تمام حریت پسند قائدین جموں کشمیر میں تعینات سات لاکھ بھارتی افواج کی موجودگی میں ''پرُ امن مذاکرات''(دوفریقی، سہ فریقی،چار فریقی) کے ذریعے

بھارت سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں! اِسی لئے بعض لوگوں نے یہاں اعلانیہ طور اور بعض لوگوں نے خفیہ طور بھارتی افواج کے پاس اپنے ہتھیار جمع کرائے ہیں اور یہ ''امن'' کے خواہاں اب جوانوں کو پتھر اُٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے کہیں اُن کے اور دہلی کے حکمرانوں کے درمیان ہوئے خفیہ ''معاہدہ امن'' کی خلاف ورزی نہ ہو، یہاں فضا میں منافقت ہی نہیں سفاہت بھی ہے) جب تمام مسلمانوں اور فوج کو اس ''صلح نامہ'' کے تباہ کن اور ذلت آمیز شرائط کا علم ہوا تو وہ اسکے خلاف ہو گئے۔ ابو عبداللہ محمد نے گھبرا کر کہیں عوام بغاوت (مزاحمت) پر نہ اُتر آئیں سات روز پورے ہونے سے پہلے ہی فرڈی نینڈ کو پیغام بھیج دیا کی آپ قصرالحمراء اور غرناطہ پر فوراً قبضہ کر لیں۔

۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو ایک طرف عیسائی فوجیں غرناط میں داخل ہوئیں تو دوسری جانب اندلس میں آخری ''مسلمان'' حکمران ابوعبداللہ محمد اور اُس کے اہل خاندان زرق برق ریشمی کپڑوں میں ملبوس اور ہیرے جواہرات سے لدھے پھندے قصرالحمراء سے برآمد ہوئے۔ (۲۷، اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک طرف کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے یہاں بھارتی فوج داخل ہو رہی تھی دوسری طرف شیخ عبداللہ اور اُس کے حواری جشن منا رہے تھے اور شیخ محمد عبداللہ کی تاج پوشی کی تیاریاں کر رہے تھے) فاتح غرناط فرڈی نینڈ کو داخل ہوتے دیکھ کر ابوعبداللہ محمد گھوڑے سے نیچے اُترا، اُسکے گھوڑے کی باگیں تھام لی، شہر کی کنجیاں نہایت عجز و نیاز سے اِس کے حوالے کی اور عرض کیا:

''یہ کنجیاں اسپین میں عربوں کی اقتدار کی آخری نشانی ہے، آپ انہیں لے لیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہمارا ملک، ہمارے مال اور ہماری جانیں سب آپ کی ملکیت ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ نے جیسا وعدہ کیا ہے اُسی کے مطابق معاملہ کریں گے۔ فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ محمد کو یقین دلایا کہ مسلمانوں سے جو وعدے

کئے گئے ہیں اُنہیں پورا کیا جائے گا۔''

الحمراء کے بلند ترین برج پر چاندی کی صلیب آویزاں کر دی گئی، اندلس سے اِسلام اور مسلمانوں کی ۷۸۱ سالہ (۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء) عظیم الشان تہذیب و تاریخ ''پرُ امن مذاکرات اور معاہدہ امن'' کے ذریعے ختم ہوگئی۔ اِناللہ وانا الیہ راجعون۔ ''عہد نامہ امن'' میں مسلمانوں کو اُن کے جان و مال اور دین و ایمان کی سلامتی اور تحفظ کی جو ضمانتیں دی گئی تھیں یقیناً وہ بڑی خوش کُن تھیں مثلاً کسی مسلمان کے جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا، مسلمانوں کو اپنے مذہب پر چلنے، اپنا لباس پہننے، اپنی زبان بولنے، اپنی رسوم منانے، اپنے معاملات شریعت کے مطابق طے کرنے کی پوری آزادی ہوگی، مساجد اور اوقاف برقرار رہیں گے وغیرہ۔ سامراجی طاقتیں ایفائے عہد سے ناآشنا ہوتی ہیں: عیسائیوں نے ''ایفائے عہد'' کی شروعات ابوعبداللہ محمد کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدے سے کی وہ اِس طرح کہ اُن کو غرناطہ شہر عیسائیوں کے حوالے کرنے کے عوض البشرات علاقے کی حکومت کا وعدہ کیا گیا تھا مگر اِن کو مراکش جلاوطن کر دیا گیا جہاں وہ ذلت اور کسمپرُسی کی حالت میں عبرت ناک موت سے دوچار ہوئے۔ (شیخ عبداللہ سے کشمیر پر بھارتی قبضے کو یقینی بنانے کے عوض کشمیر کا وزیر اعظم بنائے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا، بھارتی حکمرانوں نے اِس کی ساتھ یہ وعدہ شرطیہ پورا کیا اور پھر نو اگست ۱۹۵۳ء کو اُس کو جیل بھیج دیا)۔ اِس کے فوراً بعد ''معاہدہ امن'' میں طے دوسرے وعدوں کی 'ایفا' شروع ہوئی، مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے اور قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، اِس پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے، ۱۴۹۹ء میں اِن تمام مسلمانوں کے قتل عام کا فرمان جاری کر دیا گیا جو مسلمان اپنی جان کے خوف سے عیسائی بن گئے تھے، اِن کے علاوہ باقی تمام مسلمان زندہ جلا دئے گئے یا قتل کر دیے گئے یا جبراً اندلس سے نکال دیے گئے اور اِس طرح ۱۶۱۰ء تک وہاں

مسلمانوں کا مکمل صفایا کیا گیا۔البتہ خوبصورت مسلمان دوشیزاؤں کے ساتھ بمطابق سنت فرعون رعایت کی گئی۔(وہ سامانِ عیش بنادی گئیں)

(۹اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ عبداللہ کو جیل بھیج دینے کے فوراً بعد نام نہاد اٹانومی کو ان کے ہی دوحواریوں غلام محمد بخشی اور غلام محمد صادق کے ذریعے ختم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔اور ۱۹۷۱ء تک اِس کو پوری طرح ختم کر دیا گیا) ۱۵۲۶ء میں شاہی فرمان کے ذریعے عربی زبان بولنا، اِسلامی شعائر اپنانا، اِسلامی نام رکھنا، یہاں تک کہ غسل شرعی، نکاح اور داڑھی رکھنا جرم قرار دے دیا گیا،تمام عربی کتابیں جن کی تعداد تقریباً ۵ سے ۸ لاکھ کے قریب تھی جلادی گئیں،مساجد کو شہید کر دیا گیا یا پھر گھر جا گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔آج اندلس میں مسلمانوں کے عہد حکومت کی یادگار اُن کی بنائی ہوئی چند عمارتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔اِس طرح عیسائیوں نے اندلس میں ۱۱۸سال (۱۶۱۰ء - ۱۴۹۲ء) کے اندر اندر مسلمانوں کا مکمل صفایا کر دیا۔

فلسطین (اسرائیل)

عربوں کے پورے دور میں لبنان اور اردن کی طرح فلسطین کو بھی علاقہ شام کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ فلسطین کو انبیائے کرام کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ نے عراق کے شہر ''ار'' سے ہجرت کر کے اِسی جگہ کو اپنا دعوتی مرکز بنایا تھا۔ اِسی سرزمین میں سیدنا اسحٰقؑ اور سیدنا یعقوبؑ نے توحید کی تبلیغ کی، سیدنا موسیٰؑ کی ارض موعود یہی سرزمین تھی۔ سیدنا داؤدؑ اور سیدنا سلیمانؑ کی حکومت کا مرکز یہی خطہ تھا، اِسی سرزمین میں سیدنا عیسیٰ نے توحید کی آواز بلند کی، امام الانبیاء معراج کے موقع پر اِسی سرزمین میں واقع مسجد اقصیٰ سے آسمان دُنیا کی طرف تشریف لے گئے۔

۱۰۲۰ء میں یہاں سیدنا داؤدؑ نے فلسطینی قبائل کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی اور یروشلم کو دارالخلافہ بنایا۔ یہ حکومت دریائے فرات سے مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اِس میں اکثریت بنی اِسرائیل کی تھی۔ سیدنا سلیمانؑ کے دور میں اِس حکومت نے بہت ترقی کی لیکن اُن کی وفات (۹۲۲ق م) کے بعد اُس کی حکومت کو زوال آنا شروع ہو گیا کیونکہ اُس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے۔ بنی اِسرائیل دو گرہوں میں بٹ گئے۔ اُنہوں نے ریاست کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ریاست کا نام یہودہ جسکا دارالخلافہ یروشلم بنا اور دوسری ریاست کا نام اِسرائیل رکھا گیا اور اُسکا دار الخلافہ سماریہ بنا۔

۵۸۶ء ق م میں بابل کے فرمان روا بخت نصر نے یہودا کو فتح کر کے یہودیوں کو بے دریغ قتل کیا اور بڑی تعداد کو غلام بنایا، ہیکل سلیمانی کو مکمل طور تباہ کر دیا۔ باقی معابد اور مقدس مقامات اور کتب بھی جلا دیں۔ ایرانی حکمرانوں کے مدد سے بنی

اِسرائیل نے بخت نصر کے قید سے آزادی حاصل کی۔ اُنہوں نے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا اور اِس طرح ۱۶۸ق م میں بنی اِسرائیل نے دوبارہ چھوٹی سلطنت قائم کی۔ پھر ۷۰ق م میں رومی حکمران ٹیٹس کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مسلط کر دیا۔ اُس نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہودیوں کو بیت المقدس سے جلاوطن کر دیا اور یوں وہ ذلیل اور رُسوا ہو کر ملک بدر ہو گئے۔

۱۳۶ء تک یہاں ایرانی اور بازنطینی حکومت کرتے رہے۔ ۶۳۶ء میں سیدنا عمر فاروقؓ کے عہد میں عرب لشکروں نے یروشلم اور بیت المقدس کو فتح کر لیا، جناب معاویہ کے دور میں فتح عسقلان کے دوران فتح فلسطین کی تکمیل ہوئی، مسلمانوں نے اسے علحیدہ صوبہ بنا کر اُس کا نام ''جند فلسطین'' رکھا۔ سلجوقیوں کے زوال کے بعد بارھویں اور تیرھویں صدی میں یہ خطہ تقریباً دوسوسال تک ہلال اور صلیب کی رزم گاہ بنا رہا۔ ۱۰۹۹ء میں یورپی صلیبیوں نے فاطمی حکمرانوں سے بیت المقدس چھین لیا۔ کچھ عرصہ تک عیسائیوں کی حکومت یہاں قائم رہی۔ پھر عظیم سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں یروشلم سمیت بیت المقدس کو عیسائیوں سے آزاد کرا لیا۔ ۱۲۹۱ء میں پورے فلسطین پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اوّل کے عہد میں فلسطین کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا گیا۔ چار صدیوں تک (۱۹۱۹ء - ۱۵۱۹ء) یہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا۔ کل ۶۳۶ء سے ۱۹۱۹ء تک ۱۳سوسال تک اِس انبیاء کی سرزمین میں اِسلام کی ترویج ہوئی۔

رومی حکمران طیطس نے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔ وہ دُنیا کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ تقریباً اُٹھارہ سوسال کی اِس جلاوطنی کے دوران اِسلامی دُنیا کے علاوہ احسان فراموش یہودیوں کو کہیں بھی سکون میسر نہیں ہوا۔ یورپ میں اُن کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا گیا اُن کے رہنے کے لئے شہروں میں محلے مخصوص

کر دئے جاتے تھے جو یہودیوں کے باڑے(ghetto) کہلاتے تھے۔1882ء اور1903ء کے دوران عثمانی ترکوں نے یہودیوں کو پہلی بار دوبارہ فلسطین کے علاقے میں آباد ہونے کی اجازت دی (پھر اُن احسان فراموش یہودیوں نے اپنے محسن عثمانی حکمرانوں کے خلاف اِسی طرح سازشیں کی جس طرح برصغیر پاکستان و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز بدعہد حکام نے اپنے محسن مغلیہ حکمرانوں کے خلاف کیں)اِس طرح کثیر تعداد میں یہودی یہاں آباد ہوگئے۔

روس کے ایک یہودی نسل ڈاکٹر ہون بنسکر نے ۱۸۸۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے یہودیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی حفاظت کی لئے ایک آزاداور خودمختار ریاست قائم کریں، اِسی سے تحریک پا کر اُنیسوی صدی کے آخری سالوں میں یورپ کے قوم پرستانہ فضا سے متاثر ہوکر بعض یہودی دانشوروں نے ''یہودی قومی ریاست''(Jewish Nation State) کا تصور پیش کیا اگر چہ دُنیا میں کہیں بھی وہ اکثریت میں نہیں تھے۔ایک آسٹریائی جرنلسٹ تھیوڈر ہرزل (۱۹۰۴ء۔ ۱۸۶۰ء) نے اپنی کتاب "Der Juden Staat"... The Jewish State...جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی میں، یہودی ریاست کا خاکہ پیش کیا اور اپنی زندگی کو اِس ریاست کے لئے خطہ ارض حاصل کرنے کے لئے وقف کردی۔ اِس حصولِ وطن کی تحریک کو صیہونی تحریک کہا جا تا ہے۔صیہونیت کی اصطلاح (Zionism)اِسی زمانے میں ڈاکٹر نیتھن بمباونی نے اختراع کی۔اِس تحریک کا مقصد شروع میں یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن حاصل کرنا تھا خواہ یہ وطن کسی جگہ ہو شروع شروع میں سائپرس، ارجنٹینا، البرقہ لیبیا، اوگنڈا اور مشرقی افریقہ کینیا میں ایک علاقے کو اِس مقصد کے لئے مخصوص کرنے کی پیش کش یہودیوں کو کی گئی مگر یہودیوں کی اکثریت نے جو فلسطین کو قومی وطن بنانا چاہتی تھی اِس پیش کش کو قبول نہیں

کیا۔ فلسطین اُس زمانے میں عثمانی خلافت کا ایک حصہ تھا اِس لئے یہودی رہنما تھیوڈر ہرزل نے سلطان عبدالحمید سے ملاقات کی۔ سلطان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔ اِس وقت عثمانی خلافت شدید قسم کی مالی مشکلات میں مبتلا تھی۔ ہرزل نے سلطان کو یقین دلایا کہ اگر عثمانی حکومت فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کی اِجازت دے دے تو یہودی عثمانی خلافت کو مالی امداد فراہم کر دیں گے۔ ہرزل نے سلطان عبدالحمید کو اپنا ہم خیال بنانے کی چھ سال تک کوشش کی لیکن سلطان عبدالحمید نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

''ڈاکٹر ہرزل کو فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کرنے کی کوشش ترک کرنی چاہیے۔ یہودیوں کو فلسطین اُسی وقت مل سکتا ہے جب عثمانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔''

جب سلطان عبدالحمید کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تو ہرزل نے برطانیہ کے ساتھ اِس حوالے سے گفتگو شروع کی۔ برطانیہ کی حکومت چونکہ یہودیوں کے قومی وطن کے خیال سے اتفاق ظاہر کر چکی تھی، اِس لئے جنگِ عظیم اوّل میں یہودی سرمایہ داروں کی معاونت اور اُن کے سراغرساں خدمات کے عوض برطانیہ کی حکومت فلسطین میں یہودی وطن قایم کرنے پر راضی ہوگئی اِس مقصد سے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ نے اعلان کیا:

حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کی فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن قائم کیا جائے گا جس کے لئے برطانوی حکومت اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش اور تعاون کرے گی۔''

یہ اعلان برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے کیا اِس لئے اِس کے نام کی نسبت سے ''اعلان بالفور'' کہلاتا ہے۔ ۱۹۱۷ء کے دوران برطانیہ نے یروشلم پر قبضہ

کرلیا۔ ۱۹۲۰ء میں لیگ آف نیشنز League of Nations نے برطانیہ کے اِس حق کو تسلیم کرلیا۔ اِس اعلان کے فوراً بعد دُنیا بھر کے یہودی آ کر فلسطین میں آباد ہونا شروع ہو گئے۔

تھیوڈر ہرزل نے جب یہودی ریاست کا خاکہ ۱۸۹۷ء میں پیش کیا اِس وقت فلسطین میں یہودیوں کی تعداد ۵۰۰۰۰ سے کم تھی پھر اِس آبادی میں کس سرعت سے اضافہ ہوا اور کس طرح فلسطین کے مسلمان بے گھر کئے گئے، یہاں اِس کی مختصر تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

	عرب مسلمان	یہودی	کل آبادی	ملکیت زمین	
				عرب	یہودی
1895ء	453,000	47,000	500,000	99.5	0.5
1919	642,000	58,000	700,000	97.5	2.5
1939	977,500	445,000	1423000	94.4	5.6
1944	1211000	529000	1740000	93.4	6.5
1946	1364000	608000	1973000	93.0	6.6

1882ء سے 1981ء تک دنیا بھر سے جو یہودی فلسطین میں آباد ہوئے ان کی تفصیل:

1842-1914	60,000
1919-1930	112721
1931-1940	262441

619305	1941-1950
469617	1951-1960
383937	1961-1970
344040	1971-1981
2252061	**1842-1981**

۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک بے گھر ہوئے مسلمان مہاجرین کے تعداد 34,17,688 تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۸۱ء میں فلسطین کی کل آبادی 38,85,500 تھی جس میں صرف 635,000 (16 فیصد) مسلمان تھے۔

دُنیا بھر سے آئے ہوئے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کے بعد جنگِ عظیم دوم سے معاشی طور بد حال ہوئے۔ برطانوی سامراج نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی فلسطین کمیٹی کو مطلع کیا اگر فلسطین مسئلہ کا جلد کوئی تصفیہ (تقسیم فلسطین کیوں کہ اب لاکھوں کی تعداد میں یہودی فلسطین میں آباد ہو چکے تھے) نہ ہوا تو برطانوی فوجیں فلسطین سے واپس چلی جائیں گی۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے امریکہ اور روس کی یہ تجویز منظور کر لی کہ فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ 13,64000 مسلمانوں کو 4500 مربع میل کا علاقہ اور 608000 یہودیوں کی 5338 مربع میل کا علاقہ دیا گیا یروشلم کا 289 مربع میل علاقہ اقوام متحدہ کے تحت کر دیا گیا۔ اِس ظالمانہ تقسیم پر عرب مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ اِسی دوران برطانوی فوجوں کی فلسطین سے واپسی شروع ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان مسلح تصادم شروع ہوا۔ ناجائز طور فلسطین میں آباد ہوئے یہودیوں نے فلسطینی مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جس کی وجہ سے

لاکھوں مسلمانوں کو فلسطین چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ۱۴مئی ۱۹۴۸ء تک اندرون فلسطین مسلمانوں کی مزاحمت ختم ہوگئی۔۱۴مئی ۱۹۴۸ء کو ''جیوش نیشنل کونسل'' نے ڈیوڈ بن گوریان کی قیادت میں یک طرفہ اعلان آزادی کر کے یہودی ریاست (اسرائیل) قائم کرلی۔۱۱مئی ۱۹۴۹ء کو اِس ناجائز یہودی ریاست کو مجلس اقوام متحدہ کی رکنیت دی گئی۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ کے دوران یہودیوں نے 21000 کلومیٹر (78 فیصد) زمین پر قبضہ کردیا پھر ۱۹۶۷ء میں اُنہوں نے مغربی کنارہ کے 5800 کلومیٹر (20.5 فیصد) اور غازہ پٹی کے 260 کلومیٹر (1.5 فیصد) زمین بھی اپنے سامراجی سرحدوں میں شامل کردی۔

۱۹۶۷ء کی جنگ میں تقریباً پورے فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ ہوگیا اور یاسر عرفات اب ''پُر امن جدوجہد'' اور ''مذاکرات'' کے ذریعے ۴۳ فیصد زمین (۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کے وقت مسلمانوں کو دی گئی زمین) کے لئے نہیں بلکہ صرف ۲۳ فیصد زمین حاصل کرنے کیلئے کوشش کرتے رہے جو ۱۹۶۷ء کی جنگ میں یہودیوں نے مسلمانوں سے چھین لی تھی اور Oslo ''معاہدہ امن'' کے تحت جس خطہ زمین کے اختیارات برائے نام یاسر عرفات کو سونپے گئے وہ صرف فلسطین کی ۲ فیصد زمین ہے۔ ۱۹۵۰ء میں اسرائیل کی صیہونی حکومت نے Law of Absentees قانون بنایا جس کی رو سے یہودیوں کو تارک وطن کئے گئے ،مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی اجازت دی گئی، اِسی وقت ایک اور قانون Law of Return بنایا گیا جس میں دُنیا بھر کے یہودیوں کا فلسطین لوٹنے اور وہاں رہائش اختیار کرنے کا حق تسلیم کیا گیا اور ساتھ ہی فلسطینی مسلمانوں کو مجلس اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے باوجود فلسطین میں اپنے گھروں میں لوٹنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اِس طرح آج بھی ۳۰ لاکھ سے زائد فلسطینی مسلمان مہاجرت اور خانہ بدوشی کی زندگی گزار

رہے ہیں ۔ اس طرح یہودیوں نے ۱۱۷ سال (۱۸۹۷ء ۔ ۲۰۱۴ء) کی مدت میں فلسطین میں مسلمانوں کا صفایا کر دیا۔ صیہونی تحریک کے شائع کردہ نقشے میں جس سامراجی اور جارحانہ منصوبے کی تفصیل دی گئی ہے اِسکے مطابق اِسرائیل جن علاقوں پر قبضہ کرکے اپنی سرحدوں میں شامل کرنا چاہتا ہے اُن میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینہ منورہ تک کا حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے جہاں عہدِ رسالت سے قبل یہودی قبائل آباد تھے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہے۔

''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔''

ہندو

ہندتو

ہندوراشٹر

ہندوازم

ہندو:

ہندو لفظ سندھو کا دوسرا نام ہے۔ سندھو وہ دریا ہے جو ہندوستان کے شمال مغرب میں بہتا ہے اور ہندوستان کو مغربی ملکوں سے جدا کرتا ہے۔ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں نے اس ملک کو سندھو کہنا شروع کر دیا تھا۔ ایران کے باشندے سندھو کو ہندو کہنے لگے۔ یونانیوں نے اس کو سندھو کی جگہ اندوس کہا اسی سے انڈین لفظ بن گیا ہے۔ چین اور جاپان کے لوگ اس کو شنٹو کہتے تھے۔ اسطرح دریائے سندھو کے مشرق کی طرف رہنے والے لوگ ہندو کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا مذہب ہندو دھرم ہو گیا۔ (یہ صحیح ہے بنیادی طور ہندو جغرافیائی اصطلاح ہے مگر اب یہ خالصتاً مذہبی اصطلاح بن گئی ہے اسلیئے اس کا استعمال جغرافیائی معنی میں کرنا جیسے بھارت کا کوئی مسلمان خود کو 'ہندو مسلمان' کہے جائز نہیں ہے......**محمد قاسم**)

جواہر لال نہرو کے مطابق لفظ ہندو آٹھویں صدی کی لکھی ہوئی ہندوستان کی ایک تنتری کتاب میں ملتا ہے۔ یہ لفظ بہت پُرانا ہے اور قدیم فارسی کتابوں اور اوستا میں موجود ہے۔ اس کے بعد اِسے مغربی اور وسط ایشیاء کے لوگ ہزار سال یا اِس سے بھی کچھ زیادہ عرصے تک ہندوستان کے لئے یا دریائے سندھ کے اُس پار رہنے والے لوگوں کے لئے استعمال کرتے رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دریائے سندھ کا پُرانا نام دریائے سندھو ہے اور یہ لفظ اِسی سے نکلا ہے اِس طرح یہ لفظ سندھو سے آگے چل کر ہندو بن گیا۔ (تلاش ہند از جواہر لعل نہرو۔ ص۔ 90)

ہندتوا:

وی ڈی ساورکر کے مطابق ہندو وہ ہے جو دریائے سندھ سے سمندر تک کے بھارت ورش کو اپنی ماتر بھومی اور کرم بھومی تسلیم کرے۔ اس تصور کو ہی 'ہندتو' نام

دیا گیا ہے۔1923ء میں ساورکر نے رتنا گر جیل میں دوران اسارت ایک کتابچہ لکھا جس میں اس نے ہندتو نظریہ پر روشنی ڈالی۔ اس نظریہ کو ماننے والوں کیلئے ضروری تھا کہ وہ بھارت کو اپنی ماتر بھومی اور کرم بھومی مانیں۔

آر ایس ایس کے ہندتو اور ہندو راشٹر پر اشوک پانڈے کا تبصرہ:

''......اس نقطہ نظر کے مطابق ہندوستان کی غیر ملکی نسلوں کو یا تو واضح طور پر ہندو ثقافت (کثافت) اور زبان اپنا لینی چاہیئے، ہندو مذہب کا احترام اور اس پر عقیدت رکھنا چاہیئے، ہندو نسل اور ثقافت یعنی ہندو راشٹر کی عظمت کے علاوہ کسی اور خیال کو من میں نہیں لانا چاہیئے اور ہندو نسل میں شامل ہو جانے کیلئے اپنی علیحدہ شناخت چھوڑ دینی چاہیئے یا پھر وہ اس ملک میں مکمل طور پر ہندو راشٹر کے غلام ہو کر رہ سکتے ہیں۔ بغیر کیس دعوے کے، بغیر کسی استحقاق کے اور اس سے بھی آگے بغیر کسی بھی مخصوص سلوک کے، یہاں تک کہ کوئی شہری حقوق بھی انہیں نہیں ملیں گے۔ ان کیلئے کوئی اور راستہ اپنانے کی چھوٹ تو کم سے کم ہونی ہی نہیں چاہیئے ......''

(www.loksangharsh.blogspot.com)

مت:

مت اصل میں سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی مذہب اور عقل ہوتا ہے چنانچہ اردو میں بھی یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ ''اُسکی مت ماری گئی''۔

اِس طرح ہندو مت کے معنی ہیں وہ مذہب جس کی پیروی ہندو کرتے ہیں۔

ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں، اِسی طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخص کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا، چونکہ ہندووں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد اشخاص کا حصہ ہے۔ اسلئے اِس میں کوئی واحد عقیدہ، مذہبی قانون یا رسوم وشعائر کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔ عقاید کی گونا گونی ،طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کی کثرت کے باعث یہ مذہب ایک گمنام جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں راستے نکلتے ہوں لیکن کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہ ہو۔ (اسلام اور مذاہب عالم از محمد مظہر الدین صدیقی۔ص 1)

ہندوراشٹر:

سوال:

''......اب جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اور اسمیں کوئی دو رائے نہیں کہ ہندوستان ہندووں کی سرزمین ہے اور یہ صرف ہندوقوم کے پھلنے پھولنے کیلئے ٹھوس مقام ہے، تو ان تمام لوگوں کا کیا ہوگا جو آج اس ملک میں رہ رہے ہیں جبکہ ان کا ہندو نسل، ہندو مذہب اور ثقافت سے کوئی تعلق نہیں ہے......

جواب:

......ہمیں بالکل شروع میں ہی یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جہاں تک 'راشٹر' کا تعلق ہے جو لوگ بھی نظریہ کی پانچ حدوں سے باہر ہیں ان سب کیلئے قومی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم نہ کر دیں اور راشٹر کے دھرم(ہندو دھرم) ثقافت(ہندتو) اور

زبان (سنسکرت) کو اختیار نہ کرلیں اور خود کو پوری طرح راشٹریہ نسل میں ضم نہ کرائیں......''

(we or our nationhood defined
by M.S. Golwalkar, p:45)

''...... یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ ان پرانی قوموں نے اپنی اقلیتوں کے مسئلے کو کس طرح حل کیا۔ یہ لوگ اپنی سیاست میں کسی دوسرے علاقے وعنصر کو تسلیم نہیں کرتے۔ نقل وطن کر کے آنے والوں کو فطری طور پر خود کو آبادی کے اصل مجموعہ راشٹریہ نسل میں ضم کر دینا چاہئے، اس کے کلچر اور زبان کو اختیار کر لینا چاہئے اور اپنی غیر ملکی اصلیت کو فراموش کرتے ہوئے اپنے علیحدہ اور غیر ملکی تشخص کے شعور سے دستبردار ہو کر انہی جذبات کا حصہ بننا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ راشٹریہ نسل کی مہربانی سے محض غیر ملکی کی حیثیت سے رہیں گے۔ وہ راشٹریہ نسل کے تمام ضابطوں اور قوانین کی پابندی کریں گے اور کسی حق یا اختیار کے حقدار نہیں ہونگے۔ بیرونی عناصر کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو خود کو راشٹریہ نسل میں ضم کر دیں اور اسکے کلچر کو اختیار کر لیں یا اس کے رحم وکرم پر اس وقت تک رہیں گے۔ جب تک راشٹریہ نسل (ہندو) انہیں اس حالت میں رہنے دے اور راشٹریہ نسل کی مرضی محض پر ملک کو چھوڑ دیں۔ اقلیتوں کے مسئلے پر صرف یہی ایک ٹھوس رائے ہے۔ صرف یہی ایک منطق اور صحیح حل ہے۔ صرف یہی صورت

قومی زندگی کو صحت منداور پُر امن رکھ سکتی ہے۔صرف یہی ایک صورت راشٹر کو سیاست کے اندر کینسر سے محفوظ رکھ سکتی ہے اور جو اسٹیٹ کے اندر اسٹیٹ پیدا کرنے کی سیاست کے خطرے کو روک سکتی ہے۔

اس لحاظ سے پرانی ہوشیار قوموں کے تجربات کے سامنے رکھ کر ہندوستان میں بیرونی نسلوں کو یا تو ہندو کلچر اور زبان کو اختیار کرنا چاہیئے ، ہندو دھرم کا احترام کرنا سیکھنا چاہیئے، ہندو نسل اور ثقافت کی ستائش یعنی ہندو راشٹر سے علاوہ کوئی اور نظریہ نہیں اختیار کرنا چاہیئے اور اپنے علیحدہ تشخص کو چھوڑ کر خود کو ہندو نسل میں ضم کر دینا چاہیئے۔اگر یہ نہیں تو ملک میں پوری طرح ہندو راشٹر کا ماتحت بن کر رہنا چاہیئے کہ نہ کسی چیز کا دعویٰ کریں، ترجیحی سلوک کی بات تو دور کسی رعایت کے حق دار نہ ہوں اور حقوق شہریت کے بھی طالب نہ ہوں۔ان کیلئے اختیار کرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے یا نہیں ہونا چاہیئے۔ہم ایک پراچین راشٹر ہیں۔جس طرح قدیم اقوام کو کرنا چاہیئے ،ہمیں اس طرح بیرونی نسلوں کے ساتھ جنہوں نے ہمارے ملک میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، معاملہ کرنا چاہیئے......''(ایضاً،ص......47)

''......صرف وہی لوگ نیشنلسٹ محبّ وطن ہیں جو ہندو نسل اور راشٹر کی ستائش کرنے کے جذبات اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اس ہدف کو حاصل کرنے کیلئے سرگرمی سے جد

وجہد کرتے ہیں۔ باقی سب یا تو غدار ہیں یا راشٹریہ مقاصد کے دشمن ہیں یا کم از کم احمق ہیں......'' (ایضاً ص......47)

''...... ہندوازم ہندتو سے ماخوذ اسی کا ایک چھوٹا سا جزو اور ایک حصہ ہے۔ جب تک یہ واضح نہیں ہوگا کہ ہندتو کا مطلب کیا ہے یا اس کے کیا معنی ہیں۔ ہندوازم ناقابل فہم اور مبہم رہے گا۔ ان دونوں اصطلاحوں کے درمیان کے فرق کو سمجھنے میں ناکامی سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور سماجوں کے درمیان باہم شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جنہوں نے ہندو تہذیب کے بے حدوحساب اور مشترکہ خزانے سے وراثت پائی ہے۔ یہاں اس امر کی نشاندہی کافی اہم ہوگی کہ ہندتو کی شناخت اس اصطلاح سے نہیں ہوتی جو لفظ ہندوازم سے مبہم طور پر یہاں کی جاتی ہے۔ لفظ 'ازم' سے عام طور سے ایک تھیوری یا ایک ایسا کوئی کوڈ یا ضابطہ مراد لیا جاتا ہے جو کم وبیش روحانی یا مذہبی عقیدہ یا نظام پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم ہندتو کے اصل مفہوم کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم بنیادی اور یقینی طور پر خاص طور سے خود کو کسی خاص نظریاتی یا مذہبی عقیدہ یا عمل سے وابستہ نہیں کرتے، اگر اس سلسلے میں ہمارے راستے میں کوئی لسانی استعمال حائل نہیں ہوتا تو لفظ 'ہندوازم' کے مقابلے میں 'ہندونیس' Hinduness یقینی طور پر زیادہ بہتر لفظ ہوگا، جو کہ ہندتو کے تقریباً متوازی ہے۔ ہندتو ہماری ہندونسل کی بنیاد پر تمام افکار وخیالات اور سرگرمیوں کے دائروں کو اپنے دائرے

میں سمو لیتا ہے......''

(ہندتوا،از وی ڈی ساورکر......ص3,4)

''......ہندومت جسکو مختلف ہندو تنظیمیں واحد سچے ہندو دھرم کے طور پیش کرتی ہیں، ہندو کہلانے والے لوگوں میں پائے جانے والے ایک دوسرے سے الگ اور ایک دوسرے کے مخالف دھارمک ریتی اور رواجوں کے تاریخی وجود کا انکار کرتا ہے' ایک روایت برہمن ازم ہے جو ویدک گرنتھوں اور دھرم شاستروں پر مبنی ہے۔ نچلی ذاتوں میں جو 'شریمانی روایت' مقبول رہی ہے، اس کے اصول اخلاق عالمگیر ہیں، اور وہ عقائد و اعمال میں کافی تنوع کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یوں تاریخی طور پر ہم ایک ہندومت کے بارے میں نہیں بلکہ متعدد ''ہندو دھرموں'' کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔ جس ہندو مت کا دعویٰ بنیاد پرست تنظیمیں کرتی ہیں وہ پہلی روایت کی نمائندگی کرتا ہے۔ سماجی علوم کے ماہرین نے اس بہت ہی نئے ہندومت کو ''سنڈ یکیٹڈ ہندوازم''، یعنی منظّم اور تجارتی ہندومت کا نام دیا ہے......''

(رومیلا تھاپر، p 14-151:1990,WAF Journal)

ہندو...ستان (ہندو کی جگہ) میں جہاں 3626 گاؤں کا نام رام کے نام پر رکھا گیا ہے وہیں پر ٦ گاؤں کا نام راون کے نام پر رکھا گیا ہے، 3309 گاؤں کا نام کرشن کے نام پر رکھا گیا ہے وہیں پر کرشن کے ہاتھوں قتل ہوئے کنسا کے پر ۴۲ گاؤں کا نام رکھا گیا ہے۔

ہندومت کا الہامی ہونا:

ہندومت کے مذہبی ادب ویدکوایک خاص مقام حاصل ہےاور ویدک ادب کوشرتی (الہامی) قرار دیا گیا ہے۔ وید کے بارے میں عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اِس میں بیان کردہ سچائیاں ابدی حقائق ہیں۔قدیم رشیوں (روحانی شخصیتوں) نے اپنے اعلٰی روحانی مقام کے بناپراُن سچائیوں کوسُن کرالفاظ کا عملی جامہ پہنایا۔اِس لئے بہت سے ہندوویدوں کوآسمانی صحیفے سمجھتے ہے۔

''میرے نزدیک یہ بڑی بدنصیبی ہے اِس لئے کہ اِسے آسمانی صحیفہ سمجھ لینے کے بعد ہمارے لئے اُن کی حقیقی اہمیت اس حیثیت سے ختم ہوجاتی ہے کہ وہ انسانی ذہن اوراس کی فکر کے ابتدائی نقوش میں حقیقت میں وہ ذہن اورفکر کتنی عجیب وغریب تھی''۔(بین الاقوامی مذاہب از پروفیسر اکرم رانا۔ص 31)

ویدآسمانی صحیفے ہیں یہ تمام ہندووں کا عقیدہ نہیں ہے، جو ہندوان کوآسمانی صحیفے مانتے ہیں وہ ہندو ہیں جوان کوآسمانی صحیفے نہیں مانتے وہ بھی ہندو؟ ایک بات جو اِس اختلاف سے ثابت ہوجاتی ہے وہ یہ کہ وید کا الہامی ہونا یا الہامی نہ ہونا ہندوؤں کے عقیدے کے ساتھ اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے اِس لئے ظاہر ہے ہندوایک ایسے دعوے پر اِسرار کیسے کرسکتے ہیں جو اِن کے عقائد میں شامل ہی نہیں ہے۔دوسری بات جو اِس اختلاف سے ازخود ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ وید کا الہامی ماننے یا نہ ماننے سے ایک ہندو کے عملی زندگی پرکوئی اثرنہیں پڑتا اِس لئے اگر بعض ہندو ویدکوآسمانی صحیفے مانتے ہیں اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اِس عقیدے کی کوئی عملی معنویت ہے کیونکہ جو عقیدہ انسان کی عملی زندگی کا تعین نہیں کرتا وہ عقیدہ نہیں رائے اور خیال ہی ہوسکتا ہے۔ وید اگرآسمانی صحیفے ہیں تو یہ کس صورت میں زمین تک پہنچے۔الفاظ کی صورت میں یا معنی ومفہوم کی صورت میں صوتی صورت میں یا تحریری صورت میں، یہ صحیفے کن

لوگوں پر اُتارے گئے۔ اِن کا نام و پتہ سیرت وکردار کچھ معلوم ہے؟ اگر صرف دل میں خیال پیدا ہوئے یہ خیال کس کی طرف القا ہوئے برہما کی طرف سے یا ابلیس کی طرف سے؟ یہ صحیفے کس نے اُتارے برہما، وشنو یا شیوا نے یا اِن کی بیگمات نے! یہ بھی تو اہم سوال ہے برہما، وشنو اور شیوا کو صحیفے بھیجنے کی ضرورت کیوں پڑی وہ تو کبھی بھی کسی بھی انسان میں حلول کر کے دُنیا سے بدی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ آخری فیصلہ کن بات یہ کہ کیا خود وید کا آسمانی صحیفے ہونے کا دعویٰ ہے؟ اگر بعض ہندووں کا اِس طرح کا عقیدہ ہے تو یہ 'مدعی سُست گواہ چُست' والی بات ہے۔ بعض مسلم اہل علم وید کو انبیا پر نازل ہوئے صحیفوں کی تحریف شدہ صورت سمجھتے ہیں۔ ایسا وہ وید میں موجود بعض تعلیمات کی بنیاد پر سمجھتے ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسا مذہب یا فلسفہ نہیں جس میں بعض اچھی باتیں نہ ہوں۔ اُن کو ہم Universal Truths کہہ سکتے ہیں، چند اچھی تعلیمات یا چند اچھی باتوں کی بنیاد پر کوئی مذہب یا فلسفہ بنی نوع انسان کے لئے ضابطہ زندگی نہیں بن سکتا، اب اگر وید کو آسمانی صحیفوں کی تحریف شدہ صورت مانا جاتا ہے جب بھی چونکہ آخری آسمانی صحیفے نے تمام سابقہ آسمانی صحیفوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اِس لئے یہ تحریف شدہ صحیفے انسان کی ہدایت ونجات کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔

ہندو کتابوں کی تاریخ اور حفاظت:

ہندو قوم اور ہندو مذہب کی تاریخ کہیں محفوظ نہیں ہے، خود ہندوستان میں رہنے والے ہندووں نے کبھی اپنی قدیم تاریخ پر قلم نہیں اُٹھایا، چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے ہندووں کی کوئی تاریخ محفوظ نہیں ہے۔ مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ ہندووں کی تین ہزار سالہ تہذیب وتمدن کی کئی ہزار جلدوں میں جو تاریخ حال ہی میں سامنے آئی ہے اب تک اِس کا ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکا۔

ہندوؤں کی تاریخ میں کسی بھی واقعے کو ثابت کرنے کے لئے بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اِس واقعے کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن اسکے باوجود ہندوؤں کی اِن تمام تاریخی کتب میں بیان کردہ ہر واقعہ حقیقت کے اعتبار سے غلط اور فطرت کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب (تلاش ہند) میں لکھتے ہے کہ اہل چین، اہل یونان اور اہل عرب کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مورخ نہیں تھے اور یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اسی نے یہ دُشواری پیدا کردی ہے کہ ہم گزشتہ واقعات کا زمانہ اور تاریخ متعین نہیں کر سکتے اور یہ واقعات آپس میں بہت متضاد ہیں اور واقعات کیلئے ہمیں تصورات اور خیالات کی دُنیا میں جانا پڑتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کی ہندوستانی اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کرتے ہیں۔

ایک اور ہندو مورخ پر مانند لکھتا ہے:

''ہندوستان میں ہندوؤں کے پاس جو تاریخی کتب موجود ہیں اُن کے تین حصے ہیں۔ ا۔ زمانہ قدیم جو کہ بالکل نامکمل ہے اور اس میں جو حالات وواقعات ملتے ہیں، وہ شاعرانہ مبالغہ آرائی سے بھرے ہوئے ہیں۔'' الخ

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے البتہ اِتنی بات مسلم ہے اور خود ہندوؤں نے بھی اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ اقوام جو شرک میں مبتلا تھیں اور ان کے یہاں بُت پرستی کا رواج تھا، اصلاً یہ چیزیں ہندوستان میں نہ تھیں بلکہ باہر سے اِن لوگوں میں در آئی تھیں اور بعد میں اِن چیزوں نے ہندوؤں کے دل و دماغ پر اِس طرح قبضہ کرلیا کہ اب وہ کسی طرح اِن سے جُدا نہیں ہوتیں۔ (تقابل ادیان از پروفیسر محمد یوسف۔ ص...42)

ہندو مذہب کا آغاز ویدوں کے عہد سے ہوتا ہے جن کا زمانہ ۱۳۰۰ ق م کا

تھا، جب آریہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔

ہندوستان میں آریہ قوم کی آمد:

ماہرین آثار قدیمہ نے مختلف کھنڈرات کی جو کھدائی کی ہے اس کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب باضابطہ طور پر ہندوستان اور اِس کے ملحقہ علاقوں میں اِس وقت وجود میں آیا تھا جب کہ آریہ قوم کا یہاں ورد ہوا، اِس سے پہلے باضابطہ اور با قاعدہ طور پر ہندو مذہب کا یہاں کوئی وجود نہ تھا۔

رہی یہ بات کہ آریہ قوم جو ہندوستان میں آ کر آباد ہوئی اُس کا اصل وطن کیا تھا تو اِس کے بارے میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پروفیسر میکس ملر کے مطابق اِن کا وطن ''وسط ایشیاء'' تھا بال گنگادر تلک کی رائے میں اِن کا وطن، منطقہ باردہ تھا (ایم ایس گولوالکر کہتے ہیں منطقہ باردہ اس وقت وہ خطۂ زمین تھی جہاں آج اُڑیسہ اور بہار ہے، معنی یہ کہ آریہ باہر سے یہاں نہیں آئے ہیں: محمد قاسم)۔ بعض مورخین کے نزدیک اِن کا وطن روس کے مشرقی علاقے تھے۔ جب کہ بعض ہندوستانی مورخین کا کہنا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ کہیں دور سے نہیں آئے تھے بلکہ ابتداً یہ کشمیر میں آباد تھے (کشمیر پر اپنے ناجائز قبضے کو برقرار رکھنے اوراس کو ہندوراشٹر میں ضم کرنے کیلئے یہ تھیوری اختراع کی گئی ہے: محمد قاسم)۔ جبکہ لیوس مور کی رائے یہ ہے کہ آریہ قوم دراصل ایران سے آئی تھی کیونکہ ایران کا معنی ہے آریہ قوم کی سرزمین۔ (ایضاً)

آریہ قوم کی آمد کا زمانہ:

آریہ قوم کے وطن کے بارے میں جتنا شدید اختلاف ہے، اِسے سامنے رکھ کر ہندوستان میں اِن کی آمد کا زمانہ بھی متعین کرنا مشکل ہے چنانچہ مورخین نے

بھی حتمی طور پر اِن کی آمد کا زمانہ متعین نہیں کیا البتہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ ۱۷۰۰ اور ۱۲۰۰ ق م کے درمیانی عرصے میں ہندوستان وارد ہوئے اور تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان آ کر اِن لوگوں نے مقامی لوگوں کو جنوب مشرق کی طرف دھکیل کر خود اس علاقے پر قبضہ کر لیا، اِسی بنا پر شمالی ہندوستان ''آریہ ورت'' کے نام سے مشہور ہے۔ (تقابل ادیان)

آریہ قوم کا تعارف:

مورخین کے نزدیک آریہ قوم کا دھرم اور مذہب ''وید'' ہیں جن میں اِن کی مذہبی روایات اور اِن کا تاریخی خزانہ محفوظ تھا لیکن وید کے مرتب ہونے کا زمانہ آریہ قوم کے ہندوستان میں آباد ہونے کا کافی عرصہ بعد کا ہے جب کہ آریہ قوم مقامی لوگوں اوران کے مذاہب کا اثر قبول کر چکی تھی اِسلئے 'وید' میں صحیح مذہبی روایات کا ہونا بھی نا قابل تسلیم اور مشکوک ہو جاتا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر آریہ قوم نے مقامی لوگوں اور اُن کے مذاہب کا اثر قبول کیا تھا تو کچھ اثر اپنا بھی ان لوگوں پر چھوڑا تھا اِسی بنا پر یہ لوگ ہندوستان میں اِس طرح مدغم ہو گئے کہ اِنہیں ہندووں سے الگ کرنا ممکن نہ رہا۔ (ایضاً)

ویدوں کے ابتدائی زمانے میں آریہ قوم توحید پر قائم تھی چنانچہ البیرونی نے اپنی مشہور کتاب 'تاریخ ہند' میں لکھا ہے۔

''خدا کے متعلق ابتدائی زمانے میں ہندووں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ واحد، غیر فانی ہے نہ اِس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام، وہ مختار مطلق اور قادرِ مطلق ہے، ''حی محی'' ہے ،احکم الحاکمین اور رب ہے، اپنی سلطانی میں لا ثانی ہے، نہ اِس سے کوئی مشابہہ ہے اور نہ وہ کسی کے مشابہہ ہے۔''

اپنے اِس ابتدائی دور سے گزرنے کے بعد آریہ قوم جب برصغیر میں داخل ہوئی تو اِسے بُت پرست قوم (Dravidian) کی ثقافتوں سے واسطہ پڑا: ''دراوڑ اقوم کے متعلق ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی کھدائی سے حاصل ہونے والی معلومات کی ایک بہت بڑے حصے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بُتوں کی پوجا کرتے تھے''۔ اور یوں آہستہ آہستہ آریہ قوم میں بھی بُت پرستی اور مظاہر پرستی کا رواج عام ہو گیا جس سے ہندو دھرم یا ہندو مت یا ہندو مذہب وجود میں آیا اور ویدوں کی روایات اور مقامی قدیم روایات ہندو مذہب کا حصہ بنتی چلی گئیں۔

تاریخی ارتقا:

جب ہندو آریہ پہلے پہل ہندوستان میں داخل ہوئے تو اِن کے مذہبی تصورات نہایت سادہ تھے۔ اِنہی تصورات وعقائد کو ویدوں میں مدون کیا گیا ہے لیکن اِس کے بعد جو زمانہ آیا اِس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ یعنی برہمنوں کی مذہبی سیادت قائم ہو گئی تھی اور اُنہوں نے اپنی سیادت کے جواز میں جو مذہبی کتابیں ترتیب دیں اِنہیں برہمنا کہا جاتا ہے۔ برہمنا کا بُدھ مت اور جین مت کی کتابوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا اِن میں واقعات وحالات کو توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہے اور قدیم ویدی عقائد میں اِس طرح ترمیم کی گئی ہے جس سے برہمنوں کی پیشوائی کا تسلسل ثابت ہو۔ اِس لئے اِن کتابوں میں ہندو مذہب کی صحیح نمائندگی نہیں کی گئی ہے، کیونکہ اِس سے پڑھنے والے پر یہ اثر ہوتا ہے کہ برہمنوں کو قدیم زمانے سے مذہبی پیشوائی کا درجہ حاصل تھا۔ (اسلام اور مذاہب عالم)

ویدک دھرم:

ویدوں میں اِن بڑی بڑی ارواح کو الوہیت کا جامہ پہنایا گیا ہے جو فطرت

اور اُس کے مظاہر وقویٰ کی نگراں ہیں۔لیکن ارواح سفلی کا، جن سے لوگ ڈرتے تھے اور جنہیں راضی رکھنے کے لئے وہ پوجا پاٹ کرتے تھے، ویدوں میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ویدک مذہب میں ہر اُس شے کو معبود قرار دیا جاتا تھا جس سے انسانی ذہن پر ہیبت طاری ہوجائے یا جس سے خوف اور اُمید کے جذبات وابستہ ہوجائیں۔زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، پودے قابل پرستش سمجھے جاتے تھے، گھوڑوں، گایوں، پرندوں اور دوسرے جانوروں سے بھی مرادیں طلب کی جاتی تھیں، یہاں تک کہ خود اِنسان کی بنائی ہوئی اشیا مثلاً ہتھیار، طبل اور ہل وغیرہ کی عبادت بھی کی جاتی تھی۔ویدوں میں جادو اور سحر کے متعلق کوئی عقیدہ نہیں ملتا، لیکن الفاظ اور عبارات کی سحر انگیز تاثیر کا خیال ضرور موجود ہے۔(ایضاً)

ارواح پرستی:

ویدک مذہب کی ایک خصوصیت ارواح پرستی Animism ہے۔اِس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ عالم میں ایک یا بہت سی طاقتیں کارفرماں ہیں۔یہ طاقتیں، جنگلوں، پہاڑوں، دریاوں، اور بڑے بڑے درختوں کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ان میں خیر کی بہ نسبت شر کی صلاحیت زیادہ ہے۔اِس لئے اِنہیں راضی رکھنا ضروری ہے۔کچھ عرصے بعد جب تجسم کا زور شروع ہوا اور شخصی دیوتاؤں کا عقیدہ راسخ ہوا تو اِن روحوں کو شعبہ جاتی دیوتا قرار دیا گیا اور اِن کے نام پر الگ الگ مندر تعمیر کئے گئے جہاں اِنہیں راضی رکھنے کے لئے نذرانے اور تحائف پیش کئے جاتے تھے۔کچھ اور روحوں کو جو شر پسندی کی صفت نہیں رکھتی تھیں اعلیٰ قسم کے دیوتاؤں میں بدل دیا گیا۔یہ ہستیاں اِنسان کی محافظ سرپرست اور مددگار قرار پائیں لیکن اِن کی پرستش بہت محدود تھی۔ویدوں کے راگوں میں واحدنیت کا تصور بھی موجود ہے کیونکہ اِن میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ مختلف دیوتا اور دیویاں ایک ہستی واحد کے مظاہر ہیں۔ویدک عہد کے

اختتام پر اور بالخصوص برہمنا کی مذہبی کتاب میں پراجپتی کے متعلق یہ عقیدہ ملتا ہے کہ وہ تمام دیوتاؤں اور دیویوں کا باپ اور سردار ہے۔اپنشد میں یہی عقیدہ برہمنا کی صورت میں موجود ہے کیونکہ برہمنا کو روح عالم یا ہستی متعلق قرار دیا گیا ہے۔(ایضاً)

ویدانت کا فلسفہ:

ویدانت کا لفظ پہلے پہل قدیم اپنشدوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔لیکن اب چھ مختلف فلسفیانہ اورالہیاتی نظامات کے لئے مستعمل ہوتا ہے ویدانت میں برہمن کا ہمہ اوستی نظریہ پیش کیا گیا ہے اور اس کیلئے فلسفیانہ استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اِس مکتب خیال کا پہلا معلم بدرایانہ تھا لیکن چونکہ اِس کا نظریہ مقولوں اور کہاوتوں کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اِس لئے متعدد شارحین نے اِس کی وضاحت ضروری سمجھی۔ اِن شارحین میں سب سے زیادہ معروف شنکر آچاریہ تھا جس نے ۸۰۰ء کے قریب کا زمانہ پایا۔ ہندستان کے تعلیم یافتہ ہندووں کی بہت بڑی اکثریت ویدانتی فلسفے کی پیرو ہے۔

ویدانت کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ آتما (ہمارانفس) برہمن یا رُوحِ کل ہے۔ برہمن کی ذات ابدی اور لامحدود ہے اور اِسی کی طاقت تمام اشیا میں کام کر رہی ہے لیکن یہ ذات تقسیم پزیر نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اگر اِس کو اجزا میں تقسیم کیا جاسکے تو اِس پر تغیرات وارد ہوسکیں گے۔ اِسلئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر نفس انسانی اور حیوانی پر برہمن ہے نہ کہ کوئی جزو یا مظہر۔ برہمن کے سوا اور کسی ہستی کا دُنیا میں وجود نہیں۔ اِسلئے اِس فلسفے کو غیر ثنوی کہا جاتا ہے۔(ایضاً)

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں:

ہندووں کی مذہبی کتابیں جن سے ہندووں کے قدیم وجدید، عقاید، افکار و نظریات اور مختلف تعلیمات کو معلوم کیا جا سکتا ہے یہ ہیں ۔ا۔رگ وید ۔۲۔ سام

وید۔۳۔یجروید۔۴۔اتھروید،اپنشد،پران،مہابھارت،بھگوت گیتااوررامائین۔

وید:

لفظ وید کا مصدر ’’وِد‘‘ ہے جس کا معنی ہے عقل، جاننا، سوچنا سمجھنا، غوروفکر کرنا ،موجود ہونا اور حاصل کرنا وغیرہ۔’وید‘ کا لفظ خود ’’ویدوں‘‘ میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تقریباً دو ہزار سال کے عرصے میں ہندووں نے علوم اور رسوم سے متعلق جو مواد جمع کیا اِسے ’’وید‘‘ کا نام دے دیا گیا، بعد کے تمام ہندو مصنفین اِنہی کا حوالہ دیتے اور مستند سمجھتے رہے ہیں۔

رِگ وید:

’رِگ‘ نظم کے بند(stanza) کو کہتے ہیں جو کسی کی تعریف میں لکھا گیا ہو، وید کے لفظی معنی علم کے ہیں۔اِسے آسمانی علم(Sacred knowledge) بھی کہا گیا ہے۔ رِگ وید میں ایک ہزار سے زیادہ اشلوک (مجموعہ حمد) ہیں ۔یہ اشلوک یا نظم دس بند(stanza) پر مشتمل ہیں، یہ حمد ایک یا کئی دیوتاؤں کی شان میں ہیں ۔اِن نظموں میں چھ ایسی ہیں جو فیملی بُکس (family books) کہلاتی ہیں ۔(بین الاقوامی مذاہب)

رِگ وید اگنی دیوتا کی تعریف سے شروع ہوتا ہے ۔ایک قول کے مطابق رِگ وید ہندووں کی اہم ترین وقدیم ترین تہذیبی افکار کا مجموعہ ہے۔اِس میں مختلف مظاہر فطرت کی تعریف بھی شامل ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ہندو تہذیب کی پوری عمارت ویدوں کی تعلیمات پر قائم ہے اور ویدوں میں سب سے زیادہ اہمیت رِگ وید کو حاصل ہے اِسلئے ویدک دھرم کے بنیادی اصولوں کو معلوم کرنے لے لئے وید کا ہی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

یجروید:

یہ دوسرا اہم وید ہے۔ یہ نثر و نظم ہر دو حصوں پر مشتمل ہے۔اس کا مطلب ترتیب الفاظ ہے اِس میں رِگ وید کے حصے بھی شامل ہیں اِس حصے میں تلاوت کے آداب، منتر اور دُعائیں شامل ہیں۔ اِس کے علاوہ اکٹھے مل کر پڑھنے والی دُعائیں بھی موجود ہیں۔ رِگ وید کی چند منتخب کردہ شامل بھجن قربانی کے موقعے پر گائے جاتے ہیں۔

سام وید:

سام وید میں شیریں نغمے اور دُھنیں شامل ہیں زیادہ تر اشعار رِگ وید کے شامل کئے گئے ہیں۔ کچھ ایسی روایات کا بھی ذکر ملتا ہے جو دوسرے ویدوں میں نہیں ہیں۔ اِن روایات کے ساتھ دلچسپ قصے منسلک ہیں۔ بہت سے اشعار اندر دیوتا کی تعریف میں لکھے گئے ہیں، کل اشعار ڈیڑھ ہزار ہیں۔ یہ اشعار مخصوص موقعوں پر پڑھنے کی وجہ سے رِگ وید سے الگ کر لئے گئے تھے۔ اِن کو پڑھنے کے لئے مخصوص پروہت (عالم) ہوتا تھا جسے ''اوگاتر'' کہتے تھے۔

اتھروید:

اتھر وید ۷۳۰ اشلوک پر مبنی نظم جس کے کُل ۶۰۰۰ بند (stanza) ہیں پر مشتمل تصنیف ہے۔ اِس میں اوہام، خرافات، جادو، منتر اور لوک کہانیاں شامل ہیں۔ اتھر وید اپنی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اِس میں قبل از آریہ عقائد و خیالات بھی شامل ہیں۔ اِس میں سماج کے عوامی رُجحانات کی نمائندگی بھی شامل ہے۔ یہ سب ویدوں سے بعد کا مجموعہ ہے۔

ویدوں کی تقسیم بلحاظ زمانہ:

ویدوں کی ایک اور تقسیم بھی کی گئی ہے جو مختلف حصوں کے زمانہ تصنیف اور اِن کی موضوع کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اِس تقسیم میں وید کا قدیم حصہ سمھتا یا منتر کہلاتا ہے جو قدیم آریائی دیویوں اور دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے بجھنوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصہ برہمن بر برہمنا کہلاتا ہے۔ یہ نثر پر مشتمل حصہ ہے۔ قربانی کے موقعوں پر اِسے پڑھا جاتا ہے اِسلئے قربانی کی تفاصیل کا ذکر اِس میں ملتا ہے۔ برہمی فلسفہ ویدوں میں ۸۰۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تک شامل کیا گیا ہے۔ اس سے ہندو عقائد اور مذہبی تصورات میں ایک قسم کا انقلاب آیا، کیونکہ اِس دور میں برہمنوں کی اجارہ داری قائم ہوئی اور ہندو معاشرہ چار ذاتوں میں تقسیم ہو گیا۔ برہمن مذہبی نمایندگی کا حامل تھا۔ کھشتری جنگجو افراد پر مشتمل تھا۔ ویش زراعت کے متعلق امور کا نگران تھا اور شودر نچلی ذات کہلائی۔

وید سے لے کر برہمنا تک:

ویدوں کے مذہبی اشعار کا لب ولہجہ انبساط اور اُمید کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ بڑے بڑے دیوتا اپنے پرستاروں کے دوست اور مددگار ہیں۔ وہ ہندو آریاؤں کو ہندوستان کے اصلی باشندوں پر فاتح رکھتے ہیں اور لڑائیوں میں اُن کے نگہبانی اور رہ نمائی کرتے ہیں۔ دُنیا کی تمام بُرائیاں اور خباثتیں جناتی ہستیوں کی پیدا کردہ ہیں جن کے خلاف دیوتا نبرد آزما رہتے ہیں۔ لیکن اِس کے بعد برہمنا کا عہد (۸۰۰-۵۰۰ ق م) شروع ہوتا ہے اور اب ہندو آریاؤں کے تصورات و احساسات میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ہندو ذہن پر مایوسی اور افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ تبدیلی آب و ہوا کے اثرات سے بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اب ہندو آریہ پنجاب

کے علاقے سے گزر کر گنگا جمنا کے دوآبہ میں داخل ہو چکے تھے، جہاں کی آب و ہوا میں نمی زیادہ ہے، یا اِس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آریاؤں کی سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوگئی تھی جو باہم برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ بہر حال اب ظاہری مذہبیت کا غلبہ ہو چلا تھا اور پیشہ و مذہبی طبقوں کے ماتحت مذہبی مراسم اور پرستش کے طریقے بہت پیچیدہ اور دُشوار ہوتے جا رہے تھے۔

اِس زمانے کے مذہبی عقائد اور طریق عبادت کے بعض اثرات دیرپا اور مستقل ثابت ہوئے اور موجودہ ہندو ذہن کی تشکیل میں اِن کا بڑا حصہ ہے۔ اِن میں ایک تو ویدانتی فلسفہ ہے جو اپنشد میں مرتب کیا گیا، دوسرے برہمنوں کا تفوق، تیسرے قربانیوں کی اہمیت اور اُن کی تاثیر کا عقیدہ، چوتھے تناسخ پر ایمان۔ (اسلام اور مذاہب عالم)

اُپنشِد :

ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کے بعد دوسرے درجے کی کتابیں 'اُپ نشد' ہیں بلکہ بعض ہندوؤں کے نزدیک تو اِن کا درجہ 'ویدوں' سے بھی بڑا ہوا ہے۔ اُپ کے معنی نزدیک، نی کے معنی ہمہ تن گوش اور شد کے معنی بیٹھ جانا۔ اِس کے مرادی معنی ہیں قریبی نشست یا راز و نیاز کی باتیں۔ شنکراچاریہ کے نزدیک اِس کا معنی ہے 'جہالت کا ازالہ'۔ اُپنشد ایک فلسفے کا نام ہے۔ اِس فلسفے کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اِس کائنات میں ایک ہستی کا وجود ہے (وحدت الوجود)۔ یہ ہستی برہمن، آتمن یا ذات (self) کا نام ہے۔ دُنیا کی تمام مخلوقات اِس ذات کا مظہر ہیں یہاں تک روح بھی اِس کا مظہر ہے۔

برہمن کو کائنات کی بنیادی اکائی تسلیم کر لیا گیا۔ اپنشد میں لکھا ہے ''ابدیت کے درخت کی جڑیں آسمان میں ہیں اور اُس کی شاخیں زمین تک پھلی ہوئی ہیں۔ یہ

برہمن ہے شفاف روح جس کو در حقیقت ابدی اور ازلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تمام کائنات اِسی سے وجود میں آئی اور اِسی کی روح سارے کائنات میں جاری وساری ہے۔ اُس کے قبضہ میں بجلی کی کڑک ہے، جو اُس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے لافانی ہو جاتا ہے۔''

اپنشد سے یہ بات ثابت ہے کہ برہما حقیقت اصلی ہے۔ ہر شے میں، اُس کی قوت موجود ہے، وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، روح اُس کی مظہر ہے۔ اِس طرح برہما اور روح (آتمن) ایک ہی ہیں۔ گویا خدا اور انسان کی ماہیت ایک ہے۔ اپنشد کی رو سے علٰی مرتبہ اُن لوگوں کا ہے جو برہما میں جذب ہو کر نروان حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ کامیابی کی آخری منزل ہے یعنی ہندو وحدت الوجود ہے جسے عقیدہ حلول بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک خالق اکبر (برہما) ہر چیز میں موجود ہے اور برہما روح عالم یا ہستی مطلق ہے۔

اپنشد اپنے خیالات کی بدولت ویدک ادب کی معراج سمجھے جاتے ہیں۔ اپنشد کے مختلف مجموعے ہیں۔ اُٹھارہ (۱۸) اہم تصور ہوتے ہیں۔ اپنشد کا موضوع برہمن اور آتمن دونوں کے ایک واحد حقیقت (وحدت الوجود) ہونے کا انکشاف ہے۔ اِس طرح ویدک روحانیت کی اِنتہا (وید۔انت، وید کا خاتمہ) ہے۔

اَس طرح اپنشد میں برہمن اور آتمن دو مترادف اصطلاحات قرار پائی ہیں۔ اپنشد میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ برہمن اور آتمن کی معرفت اِنسان کو ابدی زندگی عطا کرتی ہے جو ہر طرح کے غم سے آزاد کرتی ہے، اِس معرفت کو آواگون کے چکر سے نجات دلانے والا بھی کہا گیا ہے۔

برہمن آتمن کے بارے میں نظریہ عام ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ابدی عنصر تمام کائنات میں جاری ساری ہے۔ اِس طرح وحدت الوجود (حقیقت اعلیٰ) کے کائنات

کی ہر چیز میں موجود ہونے کا نظریہ اپنشد میں نمایاں ہے۔

اپنشدوں میں 'لا موجود الا اللہ' کی تعلیم دی گئی ہے۔کائنات اِس کا خیال ہے یعنی اِس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔تاہم کائنات کا وجود خدا کے وجود کی طرح حقیقی نہیں ہے۔ اِسے وجود حسی حاصل ہو گیا ہے۔ دیکھو تو موجود ہے،غور کرو تو اس کا وجود نہیں ہے۔(بین الاقوامی مذاہب)

موجودہ ہندو مذہب پرانوں پر مبنی ہے، یہ قدیم مذہبی نوشتے ہیں جن میں تخلیق عالم کے متعلق بہت افسانے درج ہیں۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے دیوتا تین ہیں۔ برہما، وشنو اور شیوا۔ تینوں کا تذکرہ ہم ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد کریں گے۔

مہابھارت:

قدیم ترین ہندوستان کا ادب بنیادی طور پر دو رزمیہ نظموں مہابھارت اور راماین پر مشتمل ہے۔ اِسی کتاب کی مناسبت سے اِس ملک کو بھارت کہا جاتا ہے۔اِس کتاب میں دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار ہیں، ہندوؤں کے نزدیک اِس کا مصنف ''ویاس جی'' ہے۔مہابھارت بنیادی طور پر دو خاندانوں،کوروں اور پانڈوں کے مابین جنگ تخت نشینی کا قصہ ہے۔ اِس کتاب میں ایسی روایات درج ہیں جو قدیم ہندوستان کی معاشراتی، مذہبی اور سیاسی حیثیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اِس کا زمانہ تصنیف ۶۰۰ ق م بیان کیا جاتا ہے۔مہابھارت کتاب کے کئی نسخے ہیں اور مسٹر گوند داس کے مطابق اِس کے ہر نسخے میں بے اِنتہا اِختلاف پایا جاتا ہے۔

مہابھارت کی کہانی:

دہلی کے شمال مشرق میں ہستنا پور ایک علاقہ تھا جس میں دو خاندان کورو اور

پانڈوآباد تھے۔دونوں خاندانوں میں پُرانی دُشمنی اور رقابت چلی آرہی تھی جیسا کہ عموماً قبائلی علاقوں کی خاصیت ہے۔ یہ اصل میں آریوں کے دو بڑے گروہ تھے جو بیرونی ممالک سے آ کر ہندوستان میں بس گئے تھے۔ان میں پانڈو ہمالیہ کے پہاڑی علاقوں کا ایک آریائی گروہ تھا۔جس کا دیوتا کرشنا واسودیوتھا۔اصل میں یہ ایک قومی لیڈر تھا جس نے برہمنوں کی مخالفت میں ایک نیا مذہب قائم کیا جو وحدانیت پر مبنی تھا۔ جس کے برعکس کوروں کا گروہ ہندوستان میں بہت عرصے بعد داخل ہوا یہ برہمنوں کا حامی تھا۔اِس لڑائی میں چھتریوں یعنی برہمنوں کے مخالفوں کو فتح حاصل ہوئی لیکن آخر میں اُنہوں نے برہمنوں کے حامیوں کی سیادت تسلیم کر لی۔مہابھارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بالآخر برہمنیت غالب رہی۔

دُریودھن کی طرف سے ہستنا پور سے نکالے جانے کے بعد پانڈو مارے مارے دربدر پھرے یہاں تک کہ ایک بھائی نے پنچال کے راجا کی لڑکی ’درو پدی‘ سے شادی کر لی جو پانچ بھائیوں کی مشترکہ بیوی بنی۔آریہ لوگوں میں چندشوی کا قطعاً رواج نہ تھا پھر بھی مہابھارت کی ایک خاص ہیروین پانچ بھائیوں کی مشترکہ بیوی بنی۔ اِن میں ایک بھائی ’بھیم‘ نے قسم کھائی کہ وہ دُریودھن (100 کورو بھائیوں کا رئیس) سے شہر بدر کئے جانے کا بدلہ لے گا،آخرکار پانی پت کے میدان میں ایک رن لگا،کورو شکست کھا گئے ،پانڈو کامیاب ہوئے۔ بھگوت گیتا مہابھارت کا مشہور قصہ ہے جو دراصل کرشن جی اور ارجن کے مابین مکالمہ ہے۔(بین الاقوامی مذاہب،اسلام اور مذاہب عالم)

بھگوت گیتا:

یہ سنسکرت کا لفظ ہیں اِس کے معنی ہیں مقدس نغمہ۔ ہندودھرم میں بھگوت گیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے، بارہ کتابوں میں اِس کو منقسم کیا گیا ہے اور مہابھارت کا

ذیلی حصہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ مکالمہ ہے جو مہابھارت کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے میدانِ جنگ میں ارجن اور کرشن کے مابین ہوا۔ارجن دوستوں،عزیزوں اور عوام کوکشت وخون سے بچانا چاہتا ہے اورلڑائی سے بچنا چاہتا ہے جب کی کرشن اِسے عمل کی اہمیت سے آشکارا کرتا ہے۔اِسے عمل بےغرض (نش کام کرم) کہتے ہیں۔

بھگوت گیتا میں قریباً ۷۰۰ اشعار ہیں جن میں فلسفہ، مذہب اوراخلاق و تصوف کے اصول بتائے گئے ہیں۔

گیتا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ امتیازی خصوصیت کی حامل کتاب ہے۔ یہ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنمائی کرتی نظر آتی ہے، یہ کہ انسان کو زندگی کیسے گزارنی چاہیے، اِس میں فلسفہ یوگ، سانکھیہ اور ویدانت کی تعلیمات کو ملانے کے شاندار کوشش ہے اور روح کے لافانی ہونے کا درس ہے۔دیوتا کا اوتار کی شکل میں آنا ممکن ہے اور اچھوتوں کیلئے بن بھگوان کے پوجا کے طور طریقے درج ہیں۔یہاں تک کہ گاندھی جی اپنے عدم تشدد جیسے عقیدے کی بنیاد گیتا پر رکھتے ہیں۔ (یہاں ہم کرشن اور ارجن کے درمیان ہوئے مکالمے کے چند شلوک نقل کرتے ہیں تا کہ معلوم ہوسکے بھگوت گیتا جنگ کی تعلیم دیتی ہے یا عدم تشدد کی؟ محمد قاسم)۔

☆ پرم پرش بھگوان نے کہا: اے ارجن! تمہیں جنگ میں یہ بزدلی کس وجہ سے آئی ہے؟ جو زندگی کی قدر جانتے ہیں یہ انہیں زیب نہیں دیتا۔(ادھیائے دوم، شلوک:2)

☆اس لئے اے ارجن! اس بزدلی کو چھوڑ دو یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔دل کی اس ادنیٰ کمزوری کو چھوڑ کر جنگ کیلئے کھڑے ہوجاؤ'۔(ایضاً،شلوک:3)

☆ ارجن نے کہا! اے مدھوسودن! میں میدان جنگ میں کس طرح بھیشم پتاما اور درونا چاریہ پر تیر چلا کر لڑسکوں گا، کیونکہ مدھوسودن (دشمنوں کو مارنے والے)

وہ دونوں ہی میرے لئے پوجا کے قابل ہیں۔(ایضاً،شلوک:4)

☆ارجن نے شری کرشن سے کہا! اے گووند! میں یہ جنگ نہیں لڑوں گا۔
(ادھیائے دوم،شلوک:9)

☆اے بھرت کے بیٹے (ارجن)! جسم کے اندر رہنے والی آتما کبھی نہیں ماری جاسکتی اسلئے تمہیں کسی بھی جاندار کیلئے غم نہیں کرنا چاہئے۔(ایضاً،شلوک:30)

☆کھشتری ہونے کے ناطے اپنے مخصوص دھرم کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے دھرم یدھ سے بڑھ کر بہتر کام کوئی نہیں۔ اسلئے ہچکچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔(ایضاً،شلوک:31)

☆اے پارتھ! اتفاق سے پیش آنے والی جنگ سورگ کا کھلا دروازہ ہے۔ خوش قسمت ہے وہ کھشتری جسے لڑنے کا ایسا موقع ملتا ہے۔(ایضاً،شلوک:32)

☆اس پر بھی اگر تم دھرم یدھ نہیں کروگے تو تمہیں یقیناً اپنے فرض کو نظر انداز کرنے کا پاپ لگے گا، اور ایسے اپنی عزت کو کھو بیٹھو گے۔(ایضاً،شلوک:33)

☆مہارتھی جو تیرے نام کی عزت کرتے ہیں سمجھیں گے کہ ارجن ڈر کے مارے میدان جنگ سے بھاگ گیا اور پہلے جو لوگوں کی نظروں میں تیری وقعت اور شہرت تھی وہی تجھے حقیر خیال کرنے لگیں گے۔(ایضاً،شلوک:35)

☆اے کنتی کے بیٹے! تم یا تو لڑائی میں مر کر سورگ حاصل کروگے، یا پھر فتح یاب ہو کر اس دھرتی کے راج کو حاصل کروگے۔ اس لئے جنگ آزمائی کیلئے پکا ارادہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔(ایضاً،شلوک:37)

☆تم سکھ دکھ، نفع ونقصان اور فتح وشکست کو یکساں سمجھ کر بغیر کسی دوسرے خیال کے جنگ کرو۔ ایسا کرنے سے تمہیں کبھی پاپ نہیں لگے گا۔(ایضاً،شلوک:38)

اِس کے برعکس دوسرے مفکر جنگ وتشدد کو صحیح راہِ عمل گیتا سے ثابت کرتے

ہیں۔(بین الاقوامی مذاہب)

بھگوت گیتا میں اوتار کے نظریہ کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ نیکی کی حفاظت، برے کام کرنے والوں کو تباہ کرنے اور حق کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لئے ہر دور میں اوتار آتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر داس گپتا کا کہنا ہے کہ گیتا کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ اُس کی اکثر تعلیم اپنشد سے ماخوذ ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کس دور کی تصنیف ہے اور آج کل ہندوؤں کے یہاں اس کتاب کو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے کیونکہ قدیم ویدوں میں جو تعلیمات دی گئی تھیں، ہندوؤں نے اُنہیں بھلا دیا تھا، عمل نام کی کوئی چیز اُن کی زندگی میں نہیں رہی تھی، اُن کی زندگی میں جمود طاری ہوگیا تھا، ان کی سوچ اور زندگی غیر متحرک ہوچکی تھی، گیتا کے ذریعے ہندو قوم کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، اِسلئے اب ہندوؤں میں گیتا کی تعلیم عام ہے اور موجودہ ہندو معاشرے نے گیتا کے علاوہ باقی تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔(تقابل ادیان)

کرشن:

بھگوت گیتا کرشن جی کو بہت اہمیت اور اولیت دیتی ہے۔کرشن غالبًا ایک غیر برہمن جنگ جو نسل کا لیڈر تھا جو گوتم بدھ سے بہت عرصہ پہلے گزر چُکا تھا۔ اِس کی قوم اِسے اپنا سب سے بڑا ہیرو سمجھتی تھی کیونکہ وہ نہ صرف ایک زبردست سپاہی تھا بلکہ اپنے قومی مذہب کا بانی بھی تھا، لیکن اِس کے مذہب کا ویدوں کی تعلیمات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔کرشن کا مذہب عقیدہ توحید پر مبنی تھا اور اِس میں اِخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ اِس دین کے پیروؤں کو بھگوتا کہا جاتا تھا۔کچھ عرصہ کرشن کو اِس قوم نے الوہیت کی صفات سے متصف کرنا شروع کردیا اور اِسے دیوتاؤں کے مرتبہ تک پہنچا

دیا۔ جلد ہی برہمنوں نے اِس کو اپنا لیا اور اِسے وشنو کا اوتار یا مظہر قرار دیا۔ اِس طرح بھگوتی مذہب کے پیرو برہمنیت کے نظام میں جذب ہو گئے۔ چنانچہ یہ لوگ ابھی تک ایک فرقے کی صورت میں باقی ہیں۔ بھگوت گیتا ابتداءً اُس مذہبی فرقہ کی کتاب تھی لیکن رفتہ رفتہ اِس کو پورے برہمنی نظام میں وہی اہمیت حاصل ہوگئی جو عیسائیوں میں عہد نامہ جدید کو حاصل ہے۔ بھگوت گیتا اپنی اصلی ہیت میں موجود نہیں کیونکہ اِس میں بہت کچھ تحریف کی جاچکی ہے۔ کرشن کی زبان سے اِس کتاب میں جن عقائد کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ وحدانیت اور ہم اوستی نظریات کی آمیزش کا نتیجہ ہیں۔ اِس میں کرشن اپنے آپ کو پہلے اِس طرح متعارف کرتا ہے کہ وہ ایک شخصی خدا ہے جو انسانی لباس میں جلوہ گر ہوا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کراتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے فرائض کو پوری طرح بجالائیں بلکہ اِس پر کامل ایمان رکھیں اور اِس کی محبت والفت کو اپنا مطلوب ومقصود بنالیں۔ اِس کے بعد وہ مافوق الفطرت ہستی کی صورت میں سامنے آتا ہے اور اپنے وفادار پیرووں کو یقین دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد انہیں اس کا قرب وحضور اور اسکی رفاقت نصیب ہوگی اس شخصی خدا کے ساتھ گیتا میں برہمنا کی لا شخصی ہستی مطلق کا بار بار ذکر آتا ہے۔ کبھی تو کرشن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خدائے واحد ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اِنسان کا مقصود حیات یہ ہے کہ وہ اِس کائناتی التباس (مایا) سے بلند ہو کر برہمن کے ساتھ متحد الذات ہو جائے۔ یہ دونوں متضاد عقیدے بھگوت گیتا میں یکجا اور ملے جلے نظر آتے ہیں۔ (اسلام اور مذاہب عالم)

بھگوت گیتا میں خدا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے خدا ایک ذی شعور، ابدی اور توانا ہستی ہے جو ازل سے موجود تھی۔ وہ صرف اس عالم فانی سے ممیّز ہے بلکہ اِنسانوں کی لافانی روح سے بھی اس کے ہستی بالکل جُدا ہے۔ اِسطرح وہ ایک روح تو ہے لیکن ایسی روح نہیں جو اِنسانوں میں پائی جاتی ہے۔ گیتا میں یہ بھی بتایا گیا

ہے کہ خدا دو کی فطرتیں ہے۔ ایک اعلیٰ اور ایک ادنی۔ پہلی فطرت ایک اعلیٰ روحانی طاقت سے عبارت ہے جس پر کائنات قائم ہے۔ دوسری فطرت مادیت سے ملوث ہے یعنی اِس میں پراکرت (مادہ) کے خواص موجود ہیں۔ اِس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ خدا کی ذات کا نصف حصہ مادی ہے، اِس سے مراد یہ ہے کہ ماوہ بذاتہ کوئی موجودو قائم شئی نہیں جو اپنے عمل میں بالکل آزاد ہو۔ اس کا اِرتقا اور اِس کی حرکت مرضی الٰہی کے تابع ہے، یعنی خدا خود مادے کے واسطے سے عمل پذیر اور اِس میں رواں دواں ہے۔ خدا کے تمام افعال واعمال کائنات کی بھلائی کیلئے ہوتے ہیں۔ اِس کی اپنی نہ کوئی غرض ہے اور نہ کوئی مقصد۔ جب کبھی دُنیا میں بدی اور ناانصافی کا پلہ بھاری ہوجا تا ہے تو خدا ایک نئی شکل میں ظہور کرتا ہے تا کہ نیکی اور بھلائی غالب آجائے۔ مادہ اور روح دونوں لافانی ہیں لیکن مادہ تغیر پذیر ہے۔ اور روح تمام تغیرات سے مبرا ہے۔ روح جسم میں رہتی ہے مگر اِس کے اعمال وافعال اور حرکت پر روح اِن سے بالکل غیر متاثر رہتی ہے۔

جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے بھگوت گیتا میں دوقسم کی تعلیم ملتی ہے۔ نجات کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ آدمی کاروبارِ دُنیا اور مشاغل حیات سے کنارہ کش ہوکر علم کی تلاش میں منہمک ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان زندگی کے فرائض بجالائے اور ادنی خواہشات کی غلامی ترک کردے۔ اگر چہ بھگوت گیتا میں دوسرے طریقوں کو سراہا گیا ہے اور اِس کو فی الجملہ پہلے طریقے پر ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن مصنف نے ترکِ حیات کے فلسفے کو کہیں مسترد نہیں کیا۔ یہ تصور ہندوستانی ذہن پر اِتنا حاوی تھا کہ پیدایش اور موت کے لامتناہی سلسلے سے نجات صرف ترک حیات اور مراقبے کے ذریع ممکن ہے کہ اِس کی تردید کرنا آسان نہ تھا۔ اس وجہ سے بھگوت گیتا میں نجات کے دو طریقوں کے درمیان اسطرح مصالحت کی گئی ہے کہ بے غرضی کے

ساتھ اور دنیاوی کامیابی کا خیال کئے بغیر فرائض بجالانے کا روحانی نتیجہ وہی ہوگا جو دُنیا سے کنارہ کش ہوکر ذکر وفکر میں مشغول رہنے کا ہوسکتا ہے۔ گیتا میں برہمنوں کے مذہبی رسوم وشعاری کی بھی مذمت کی گئی ہے اور قربانیوں کو ترک کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے۔ حیات بعدالممات کے بارے میں گیتا کا عقیدہ یہ ہے کہ اِنسان مرنے کے بعد خدا کے حضور میں اپنا اِنفرادی شعور قائم رکھتا ہے۔

رامائن:

یہ ہندووں کی تاریخی کتاب کا نام ہے لیکن ہندو اِس کی تصنیف کا زمانہ تعین نہیں کر سکے، ہندووں کے مطابق یہ کتاب مختلف مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں لکھی ہے، 'رامائن' نامی کتاب رام کالی داس ہیم چند نے بھی لکھی ہے لیکن ہندووں میں اِس کی نسبت والمیکی کی رامائن زیادہ شہرت اور مقبولیت کی حامل ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ہندو اِس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اِس میں تحریف ہوچکی ہے، موجودہ رامائن میں پہلے اور ساتویں باب کا اضافہ ہوا ہے اور اِس کے علاوہ باقی متن میں بھی بہت زیادہ ردوبدل ہو چُکا ہے، چوبیس ہزار اشلوکوں پر مشتمل کتاب رام چندر کو بہادر انسان بنا کر پیش کرتی ہے اور اس کو وشنو کے اوتار کے طور پر متعارف کراتی ہے انہیں خصوصی عزت وتکریم دلاتی ہے۔ رام جی کی شرافت، پابندی عہد، اطاعت والدین کے لئے ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بیوی کو کس طرح شوہر کی اطاعت وتابع داری کرنی چاہیے اِس کے لئے رام کی بیوی سیتا کا کردار متعارف کرایا گیا ہے جو اطاعت شعاری اور وفاداری میں اپنی مثال آپ ہے۔ ایثار، جاںنثار اور دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کیلئے وفادار بھائی لکشمن کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ اِس نے جلاوطنی کے ایام میں ایک مثالی بھائی کا کردار ادا کیا ہے۔

اِندر دیوتا:

اِندر آریاؤں کا دیوتا تھا جسکو وہ ہندوستان آمد پر اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ ایک مقبول ترین دیوتا تھا۔ اِسے جنگ کا دیوتا تسلیم کیا گیا، رِگ وید میں اِندر سے دعائیں مذکور ہیں جس میں دُشمنوں کو تہس نہس کرنے کا ذکر ہے۔

اِندر کی تخلیق کے بارے میں تضاد ہے۔ ایک جگہ اِسے آسمان اور زمین (پریتھوی) کا بیٹا بتایا گیا ہے دوسری جگہ اِسے آسمان و زمین کا خالق گردانہ گیا ہے۔ رِگ وید میں یہ بھی لکھا ہے کہ اِندر دیوتا اور اگنی دیوتا کائناتی پُرش کے مُنہ سے پیدا ہوئے یہاں پُرش کا مطلب اوّلین آدمی ہے۔ وہ اوّلین آدمی برتر ہستی اور کائنات کی روح تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اِندر جب پریتھوی کے پہلو سے پیدا ہوا تو آسمان، زمین، پہاڑ لرز اُٹھے۔ سب نے محسوس کر لیا کہ یہ بچہ (اِندر) زبردست تبدیلیوں کا باعث بنے گا۔ ویدی روایات میں وہ اہم اور منفرد دیوتا ہے۔ رِگ وید میں سب سے زیادہ بھجن اِسی کی شان میں کہے گئے ہیں۔ اِندر کی کئی صورتیں بتائی گئی ہیں۔ وہ جب چاہے کوئی بھی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ آریوں کے یہاں اِندر فضا، جنگ، طوفان، بارش، تخلیق اور زرخیزی کا دیوتا تھا۔ وہ موسموں کو کنٹرول کرتا، بارش برساتا، بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج اِس کے سبب سے تھی۔ وہ انسان دوست تھا غریبوں کی مدد کرتا، مصائب دور کرتا، عنایتیں کرتا۔ رِگ وید میں اِندر کو سب باپوں سے بڑھ کر شفیق گردانا گیا ہے۔ اِندر شراب کا رسیا تھا۔ اِس نے 'سوما' ایک پودا دریافت کیا۔ یہ رس وہ شوق سے پیتا اور سرور حاصل کر کے دُشمنوں سے لڑنے نکل کھڑا ہوتا۔ اِندر کی بیوی اِندرانی ہے، رِگ وید میں اِس کا ذکر چند بار آیا ہے اِسے سب سے خوش قسمت عورت کہا گیا ہے کیونکہ اِس کا شوہر (اِندر) کبھی بھی بوڑھا ہو کر نہیں مرے گا۔ اِندر کو بارہویں صدی کے قریب زوال آ گیا۔ اِندر کا ایک آسمان (سورگ) جنت ہے۔

یہاں افسردگی، ملال، دُکھ، خوف کا گذر نہیں۔ یہاں ہرے بھرے درخت ہیں، پھول ہیں، سورگ میں حد درجہ حسین اپسرائیں (رقاصائیں/ پریاں) ہیں۔ یہاں بسنے والے اِنہیں دیکھ کر مسّرور ہوتے ہیں۔ اِن کے شریں نغمے ہواؤں کے دوش پر لہراتے ہیں۔

یہاں صاحب کردار انسان بستے ہیں۔زندگی کا مقصد نجات ہے جنہوں نے اچھے کام کئے اِنہیں اِندر کے آسمان سورگ میں بھیج دیا جاتا ہے تاہم کچھ عرصے بعد وہ اپنے کرموں کے مطابق دوبارہ جنم لینے کے لئے زمین پر آجاتے ہیں۔

برہمن:

اپنشد میں اعلیٰ ترین ہستی کا یعنی برہمن (برہم،لاجنس) اور آتما (Atman) سانس، روح، نفس کا تصور پیش کیا گیا۔''برہمن ایک لاجنس نام یا اصطلاح ہے جو برہما دیوتا سے کافی قدیم ہے اور برہما دیوتا سے قطعی مختلف اور ممیّز ہے۔برہمن مقدس لفظ بھی ہے اور ذہنی یا نظریاتی معبود ہے لا شخصی اعلیٰ ترین ہستی ہے لا جنس ہے، یعنی نہ مذکر نہ مونث۔ وہ کائنات کی اصل اساس ہے۔علت کائنات نہیں ہے، بقول شنکر آچاریہ برہمن کی ذات عالم مادی اور اُس قوانین سے بالاتر ہے۔تاہم مجازاً اُسے علت کہا جاتا ہے۔ایسی قوت یا جوہر ہے جو موجود بالذات ہے۔ اِس کا ظہور بے پایاں اور ہر جگہ ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے، ہر سو موجود ہے دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے، حقیقت واحدہ ہے۔'' ایسی ہستی ہے جو پوری فطرت، ہر غیر ذی حیات، افضل ترین دیوتاؤں اور انسانوں سے لے کر ادنی ترین مخلوق میں موجود ہے۔بیج میں نظر نہ آنے والی توانائی ہے۔ چلنے پھرنے والی مخلوق میں ''قوتِ حیات'' کی چنگاری ہے۔مادی (جسمانی) بھی ہے اور غیر مادی (لاجسمانی) بھی۔اسکی کوئی شکل وصورت نہیں زندگی کی زندگی ہے، ذی جان بھی اور غیر ذی جان بھی غیر سماجی، غیر

محسوس، غیر متعین اور غیر فانی ہے۔نظر نہیں آتا ،مخلوق نہیں ،کسی سے پیدا نہیں ہوا خود پیدا ہے۔جب تک انسان کی کور چشمی کا جالا دور نہ ہو جائے اُسے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔زماں و مکاں سے ماورا اور ازلی و ابدی ہے۔اِس کا کوئی آغاز نہیں کوئی اختتام نہیں ،مطلق و کامل ہے۔ارفع ترین روح ہے تمام جوہروں میں سب سے زیادہ مقدس ہے،ساکت و صامت اور خاموش بھی ہے۔اُس نے دیوتاوں کو تخلیق کیا اور اُنہیں زندگی میں متعین کیا۔اس سے ساری چیزیں ظہور میں آئیں، پھر اسی میں ساری چیزیں شامل ہو جائیں گی۔(بین الاقوامی مذاہب)

ایشور:

وہ اگنی ہے، وہ وایو ہے، وہ چندرما ہے،وہ روشنی ہے(یجروید)۔خدا (ایشور)ایک ہے،وہ غیر متحرک ہے،وہ دماغ سے زیادہ سریع ہے۔حواس اِس تک نہیں پہنچ سکتے۔(یجروید)

ہزاروں سروں والا پُرش (ایشور)،ہزاروں آنکھوں والا ، ہزاروں پاؤں والا،وہ کائنات(ترلوکی) کو سب طرف سے گھیر کر ٹھرا ہوا ہے۔(رِگ وید)۔ا۔خدا تو ہمارا باپ ہے، ہمارا بھائی ہے، ہمارا دوست ہے(سام وید)۔تو مرد ہے،تو عورت ہے تو کنواری لڑکی ہے،تو بوڑھا آدمی ہے،تو ہر طرف موجود ہے،ایک ہے،تنہا ایک، تجھ میں تمام معبود ایک ہو جاتے ہیں۔(اتھروید)(ایضاً)

عقیدہ تثلیث:

ویدک دھرم کی مقبولیت کے پیشِ نظر جس میں عموماً ایک خدا (ایشور) کی پرستش کا تصور ہے برہمنوں نے محسوس کیا کہ ویدک دیوتاؤں میں تبدیلی کرنی چاہیے ۔اِس احساس کے نتیجے میں تین خدا برہما، وشنو اور شیو مقرر کر لئے گئے۔

برہما:

برہما خالق کائنات ہے جس نے عالم کو عدم کے کٹہرے سے نکال کر وجود کے دائرے میں داخل کیا۔ ہندوؤں کے یہاں برہما کا تصور صرف اِتنا ہے کہ وہ کائنات کیلئے صرف ایک نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے اور بس، نظام عالم کے متحرک ہونے کے بعد برہما کا اِس عالم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا کیونکہ وہ سو جاتا ہے۔ ہندو آرٹ میں برہما کا مجسمہ چار سروں اور چار ہاتھوں کے ذریعہ دکھایا گیا ہے۔ ایک ہاتھ میں چمچہ دوسرے ہاتھ میں لوٹا اور قربانی کا سامان، تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہے۔ وہ راج ہنس پر سوار ہے۔ اِس کی بیوی سرسوتی علم و عرفان کی دیوی ہے۔ کائنات سے لاتعلق ہونے کی وجہ سے ہندوؤں میں اِس کی عبادت قریب قریب معدوم ہے۔ اصل معبود وشنو اور شیوا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں الوہیت کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ حرکت کی بجائے سکون کا مظہر ہے۔ تاہم وشنو کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے اِسے اِنسانی دُعاؤں کی بدولت حرکت میں لایا جاسکتا ہے۔ (بین الاقوامی مذاہب)

وشنو:

وشنو ویدک ادب میں بھی ایک اہم دیوتا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی اہمیت میں اضافہ ویدک دور کے وسطی اور آخری دور میں بتدریج ہوتا رہا۔ آخر کار اسے خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہوگیا۔ ۵۰۰ ق م کے قریب ویدک دور کے ایک اور دیوتا نارا ین کی خصوصیات کو بھی اِس میں ضم کر دیا گیا جس کا ذکر آرنیکا میں بخوبی ملتا ہے۔ ۳۰۰ ق م کے قریب کرشن اور واسودیو کو بھی وشنو کی شخصیت میں شامل کر دیا گیا۔ مہابھارت کے مختلف حصے ویشنو مت کے احیاء اور غلبے کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔ نیز کرشن کی پرستش پر مبنی مذہبی فکر کو اُجاگر کرتے ہیں۔ یہ خیال بھی کیا گیا ہے کہ مہابھارت ابتداء

میں غیر جانب دار تصنیف تھی۔ بعدازاں اِسے وشنو عقائد سے بھر دیا گیا ہے۔ بھگوت گیتا میں ایک طرف کرشن کو وشنو کا اوتار قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف اُسے حقیقتِ اعلیٰ کے مترادف قرار دیا گیا ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ کرشن کہتا ہے ''میری پناہ لینے والے اے پارتھ (ارجن) چاہے وہ نیچی ذات کے ہوں یا عورتیں اور ویش وہ بھی اعلیٰ ترین روحانی مقام حاصل کر سکتے ہیں۔(ایضاً)

وشنومت میں انسان اور خدا کے تعلق پر بحث کی گئی ہے۔ وشنو کو مختلف اشیا کی حفاظت اور بقا کا ذمہ دار ٹھرایا گیا ہے اِسے رحم وکرم کا دیوتا مانا گیا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وشنو کو عبادتوں، منتوں، قربانیوں اور دُعاؤں کے ذریعے اِس عالم مادی میں نزول کے لئے آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ وشنو کسی بڑے انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر حیرت انگیز کام سرانجام دے سکتا ہے۔ یہ عقیدہ عام ہے کہ وشنو کے نو اوتار ہیں چھ حیوانی شکل میں اور تین انسانی شکل میں۔ انسانی شکل میں کرشن جی، رام چندر جی اور گوتم بدھ وشنو کے اوتار ہیں۔ پہلے ہاتھ میں سنکھ (بڑا باجا)، دوسرے میں گرز، تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول کا پھول ہوتا ہے اور یہ انسان اور پرندے سے مرکب ایک جانور پر سوار ہوتا ہے۔

اِس کی بیوی کا نام لکشمی ہے جو مال ودولت اور خوش بختی کی علامت ہے۔ اِس کا خاص تہوار دیوالی ہے۔ ہندو اِس روز سے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں۔ تاجروں کے خیال میں لکشمی دیوالی کی رات دولت برساتی ہے۔ اِس لئے وہ تمام رات دیے جلا کر اِس کی راہیں روشن رکھتے ہیں۔(ایضاً)

شیو:

ہندوؤں کے یہاں اسے 'وشنو' کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ زندگی کی

پُرانی صورتوں کومٹاتا ہے،تعمیر وتخریب کی تمام قوتوں کا مالک ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارتا اور ہزاروں کوجنم دیتا ہے، ہزاروں جانور اِس کے نام پرقربان کئے جاتے ہیں۔ ہندو عابد بڑی ریاضتیں اورنفس کشی کر کے رہبانیت کے مدارج طے کرتے ہیں اور اِس طرح شیوکا تقرب حاصل کرتے ہیں۔(تقابل ادیان)

شیو ہندوستان کے قدیم دیوتاوں میں شامل ہے۔ویدک ادب کے ابتدائی ادب سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ ہندوستان میں اپنے ساتھ ایسے دیوتا کا تصور لائے تھے جس کا نام ردر(ہوااور پانی کا دیوتا) تھا۔آریہ اور غیر آریہ کے اختلاط سے ردراور شیوکوایک دوسرے میں ضم کردیا گیا ہے۔

شیو کی ایک آنکھ پیشانی پر ہے جسے'تری لوچن' کہا گیا ہے۔اِس سے غیض وغضب کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں ۔ اِس لئے یہ اگنی (آگ) کے مشابہہ ہے۔ویدک ادب کے آخری حصے میں ردرشیوکوربِ اعلٰی آقائے کل کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے۔

رزمیہ نظموں کے دورمہابھارت میں شیوایک مکمل شخصی دیوتا کی صورت میں نظر آتا ہے۔یہ شکتی یعنی قوت وطاقت کا دیوتا ہے۔انسان، چرنداور پرندکونیست ونا بود کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔کام دیو(عشق کا دیوتا)اِس کے غضب کی بدولت اپنے جسم سے محروم ہو گیا تھابعدازاں اِس کا وجوددوبارہ عمل میں آیا۔

پران دور میں بھی شیومت کے مختلف نظریات کی تبلیغ نظر آتی ہے۔شیومت کے علم بردار پرانوں میں کرما، لنگ، وایواور اگنی خاص اہمیت رکھتے ہیں،شیواایک متضاد صفات کا دیوتا ہے۔ایک طرف کائنات کی فنااور بربادی کا ذمہ دار ہے، دوسری طرف وہ مقدس حسن و جمال قسم کی ہستی ہے۔اِسے مرادیں پوری کرنے والاقرار دیا گیا ہے۔جلال وغضب کی صورت میں وہ گستاخوں اورنافرمانوں سے سخت انتقام لیتا

ہے۔نرم مزاجی کی یہ حالت ہے کہ اِسے خوش کرنے کیلئے تلسی کی پتیوں کا نذرانہ کافی ہے۔شیو کے پجاریوں کے نزدیک وہ حقیقتِ اعلٰی ہے۔اس طرح وہ خالقیت، ربوبیت اور فنا کا جامع ذمہ دار ہے، اِس کی مرضی کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا، وہ ہر بات سے آگاہ ہے، سمع و بصر کی طاقت رکھتا ہے۔ایسی حالت میں برہما اور وشنو اِس کے مظاہر مانے جاتے ہیں۔ہندومت میں شیو کی آٹھ صورتیں مستند تسلیم کی گئی ہیں۔
سرو، بھاو، پشوپتی، ایشنا، بھیم، ردر، مہادیو، ارگا۔

شیو کی بیوی کا نام کالی دیوی ہے یہ موت اور زندگی کی دیوی سمجھی جاتی ہے، اِس دیوی کا رنگ سیاہ اور مُنھ کھلا ہوا ہے زبان باہر نکلی ہوئی ہے گلے میں سانپوں اور کھوپڑیوں کی مالا ہے، انسانوں کی لاشوں پر ناچتی نظر آتی ہے۔چہرہ اور چھاتیاں خون سے لتھڑے نظر آتی ہیں۔کالی دیوی کی تین حیثیتیں ہیں۔

۱۔اوما (رحم دل ماں ہے)

۲۔دُرگا (یہ حسین عورت ہے)

۳۔پاربتی (یہ پہاڑوں کی شہزادی ہے)

شیو کے دو بیٹے ایک کارشکے (فوج کا سردار)، دوسرا گنیش (عقل کا دیوتا)

ہندو دھرم میں مکتی (نجات) کا تصور:

تناسخ کے ختم نہ ہونے والے چکر سے بچ نکلنا مُکتی ہے۔مُکتی کا معنی ہے نجات، یعنی انسان کسی طرح آواگون اور جونی چکر سے نجات حاصل کرلے۔اِس کیلئے ہندومت میں تین اہم ترین طریقے بتائے گئے ہیں:

۱۔کرم مارگ (راہِ عمل)

۲۔جنان مارگ (راہِ علم)

۳۔ بھگتی مارگ (راہِ ریاضت)

یہ تینوں طریقے ہندوؤں کے ہاں مقبول ہیں اور نجات کا ارتقائی تصور پیش کرتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں راہِ علم پر زور دیا گیا پھر عمل پر اور آخر کار ریاضت کا طریقہ غالب آ گیا۔ بعض ہندو راہِ عمل کو ہی سب سے پہلے متعارف کراتے ہیں۔

راہِ عمل یا قربانی:

قربانی کا تصور ہندوؤں کے ہاں بہت قدیم اور پسندیدہ رہا ہے عمل ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان دیوتاؤں کے قریب ہو جاتا ہے۔ ویدوں کا مطالعہ، انسانوں کی خدمت اور قربانی عمل کے راستے ہیں۔

قربانی کا تصور ہندومت میں بہت زیادہ پایا گیا ہے۔ اِس کے مقابلے میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو دیوتاوں کو خوش کرے اور نجات کو ممکن بنائے، اِس عمل کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ جب خالق کائنات کی طاقت کمزور پڑتی ہے تو دیوتا قربانی کے ذریعے اِس کمزوری کو دور کرتے ہیں۔ قربانی ہی وہ ذریعہ ہے جس سے دیوتا خوش ہو کر انسانوں پر مہربان ہوتے ہیں اور دُنیا و آخرت کی برکات نچھاور کرتے ہیں۔ جتنا قربانی میں خلوص شامل ہوگا اُتنا ہی دیوتا انسان کو مسرت اور خوشی سے ہم کنار کریں گے۔ قربانی کے بعد عمل کے تعین کے لئے سوسائٹی کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اِسے ذات پات یا ورن نظام کہا گیا۔

اب یہ طے پایا کہ برہمن کی نجات حصول علم میں ہے۔ کھشتری کی نجات بہادری کے جوہر دکھانے میں ویش کی نجات زیادہ سے زیادہ غلہ اُگانے اور محنت کرنے میں اور شودر اِس وقت بخشا جائے گا جب وہ اعلٰی ذاتوں کی دل و جان سے خدمت کرے گا۔

اِس طرح اگر یہ چار ذات کے لوگ اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرتے ہیں تو وہ مُکتی ضرور پائینگے۔

بھگوت گیتا میں لکھا ہے کہ اپنا اپنا عمل کرنے والے پرمیشور (خدا) کو پالیتے ہیں جو سب کا مدعا ہے۔ اپنا دھرم چاہے خوبیوں سے خالی ہونجات کا ذریعہ ہے۔ دوسرے کا دھرم چاہے خوبیوں سے بھرا ہونجات کا ذریعہ نہیں۔

بس راہِ عمل سے مراد یہ ہے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر انسان دیوتاوں کے نام کی قربانیاں کرے۔ چاروں ذاتوں کے لوگ اپنے اپنے فرائض بے غرض اور بے لوث ہو کر انجام دیں۔ اِس طرح انجام کار مُکتی سے ہم کنار ہونگے۔

راہِ علم:

جب راہِ عمل کی بدولت یعنی قربانی کی وجہ سے برہمنوں کو بہت زیادہ تفوق حاصل ہو گیا تو سوسائٹی میں بے چینی پھیل گئی۔ چنانچہ ہندو مفکرین نے راہِ علم اور راہِ ریاضت کے طریقے اختیار کئے جانے پر زور دیا۔

راہِ علم کا ماخذ اپنشد قرار پائے! طے پایا کہ انسان محض جہالت کی بنا پر عمل کے چکر میں نہ پڑا رہے۔ جہالت کو علم کی روشنی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ علم یہ ہے کہ انسان ابتدائی روح یعنی آتما سے جُدا نہیں ہے بلکہ اِس کا ایک حصہ ہے۔ انسان اور آتما کا تعلق دریا اور سمندر کی مانند ہے۔ جس طرح دریا اپنی منزل طے کر کے سمندر میں گم ہو جاتا ہے اِسی طرح اِنسانی ذات بھی بالآخر برہمن آتما میں اتصال کر جاتی ہے۔ اِس طرح وحدت الوجود کا علم ''علم الیقین'' ہے اور نجات کا باعث ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں لکھا ہے کہ ''جنان مارگ'' (راہِ علم) کا بنیادی نقطہ نظر جو آج بھی ہندوستان میں اپنا اثر رکھتا ہے۔۔ وہ آتما (روح)

کی برہما (روح کل) سے وحدت ہے برہما /برہمناواحد،منفرد، یکتا،قائم بالذات اور لافانی ہے۔وہ ناقابل تغیر ہے اِس لئے اسکومختلف حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

علم وعرفان حاصل کرنے کے لئے انسان کی معیاری عمر سوسال مقرر کردی گئی اور چار آشرموں (مدارج زندگی) میں تقسیم کردی گئی۔

ا۔ برہم چاریہ آشرم: یہ عمر کا پہلا حصہ ہے تعلیم وتربیت کا زمانہ۔

ابتداءاہم رسم 'اپانیانا' سے ہوئی ہے۔اِس اعلٰی رسم کی وجہ سے تینوں ذاتوں کو''دویجا'' کہہ کر پکارا گیا ہے کیونکہ تصور کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہےاور دوسری مرتبہ اِس رسم کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

۲۔گرھست آشرم: انسان شادی کرتا ہے گھر بساتا ہے، بچوں کی پرورش کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

۳۔سادھوآشرم باون پرستھ آشرم : جب انسان سماجی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوجاتا ہے جوآبادی سے باہر جنگل میں کٹیا بنا کر رہتا ہے۔خاندانی تعلق منقطع کر لیتا ہے۔مذہبی کتب خصوصاً آرنیکا کا مطالعہ کرتا ہے۔

۴۔سنیاس آشرم: ترک علائق کر کے بےنماں اور بےنشاں ہوکر ہر طرف گھومتا پھرتا ہےاوراپنے آپ کوموکش (نجات) حاصل کرنے کیلئے وقف کردیتا ہے۔

نوٹ : یہ نظام پہلی تین ذاتوں کے لئے مخصوص ہے،شودر کا اِس میں کوئی حصہ نہیں ۔تاہم شودر ساری زندگی گرہست آشرم میں گزاردیتا ہے۔اِسے موکش محض اعلٰی ذاتوں کی خدمت کے عوض ہی مل سکتی ہے۔

عورتوں کا بھی اِن آشرموں میں کوئی حصہ نہ تھا، تاہم بعض مصنفین کے نزدیک عورت کی شادی'اپانیانا' رسم کا درجہ رکھتی ہے۔اِس طرح شادی کے بعد مرد کے ساتھ عورتیں گرہست آشرم میں شریک رہتی ہیں۔آخری دوآشرموں میں عورت

کوئی کردار ادانہیں کرتی۔ون پرستھ آشرم کے لوگ جب آبادی میں آئیں تو خیرات کا کھانا کھائیں اور اُستاد گروہ (برہمن) کی خدمت کے لئے ہم تن حاضر ہوں۔(بین الاقوامی مذاہب)

ہندو فلاسفی:

ہندوؤں میں یوں تو کہنے کے لئے سو سے زیادہ فلسفوں کی مختلف شاخیں ملیں گی لیکن شنکر اچاریہ کے سجادنشین مادھواچاریہ نے سولہ فلسفوں کو مستند تسلیم کیا ہے حقیقت میں صرف چھ فلسفے قابل تسلیم سمجھے جاتے ہیں۔اِن کی صراحت حسب ذیل ہے۔

۱۔میمانسہ (علم شریعت) اِس کی ترتیب مہارشی جمینی نے دی ہے۔
۲۔ویشِشک (علم الاشیاء) کنادرشی کا فلسفہ ہے۔
۳۔نیایہ (علم منطق) اِس کے مترتب گوتم ریشی ہیں۔
۴۔سانکھیہ (اعداد) مہریشی کپیلا کے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔
۵۔یوگ (علم الاشراق) پتنجلی رشی سے منسوب کیا جاتا ہے۔
۶۔ویدانت (علم التوحید) ویاس رشی کی تصنیف ہے۔

یہ فلسفے انسانی خیالات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے نجات کے خواہش مندوں کو اصل مقصد اور اصل الااصول کے طرف لے جاتے ہیں۔میمانسہ نے کرم پر زور دیا ہے کیونکہ کرم (فضل) کے بغیر دُنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا: ویشِشک (علم الاشیاء) نے کال (وقت) پر زور دیا ہے کیونکہ ہر شے کی تر تیب میں وقت ضروری ہے۔نیایہ میں علت مادی پر گفتگو ہے کیونکہ کائنات مادہ سے ہے سانکھیہ میں عناصر کے امتزاج پر بحث ہے جس بات کا سانکھیہ کے نظری طور پر

ظاہر کیا ہے۔ اِس کو عملی طور پر پیش کرنا یوگ کا کام ہے۔ ویدانت (علم التوحید) کا مقصد برھما سے ہے۔

فلسفہ ویدانت:

اِس فلسفہ کا موجد ویاس رشی۔ ویدانت (علم التوحید) کا مقصد برہما سے وصال ہے، کیونکہ وہ خالق ارض وسماء مالک کُل اورآفرنیش کا انتظام کرنے والا ہے وہ محیط کل ہے اور جب تک روح لطیف ہوکر اُس کے اتصال اور قربت کے قابل نہیں ہوتی اُس کو تناسخ کے پیچ در پیچ اُلجھنے سے نجات نہیں مل سکتی۔ اِس لئے ضروری ہے کہ اِنسان سب سے پہلے ہر چیز کی ہیت کو دریافت کرے، ایسا کرتا ہوا علم الیقین کا درجہ حاصل کرے۔ پھر عین الیقین کے رُتبہ تک پہنچے۔ ویدانت عین الیقین کے درجے تک پہنچادیتا ہے۔ انسان کائنات کا سچا علم (گیان) حاصل کرے اس سچے برہما سے مل کر نجات حاصل کرسکتا ہے۔ گیان کے بغیر اصلیت کا پتہ نہیں چلتا جب تک اصلیت کا پتہ نہ چلے اسکو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ جو علم محض، روح محض اور سرورِ محض ہے اِسی لئے علم کی عظمت کا اعلان کیا گیا۔

ویدانت بہشت و دوزخ، ثواب و عذاب کو اوہام قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اِن پر حقیقت کی ملمع کاری کی گئی ہے۔

فلسفہ ویدانت والے دُنیا کو مایا (دھوکہ) سمجھتے ہیں کیونکہ اِن کے نزدیک اِنسان اپنی معرفت میں ناکام ہے جہالت کا پردہ حقیقت کے ادراک میں حائل ہے۔ جب وہ صحیح علم سے بہرہ ور ہوجائے تو وہ برہما کی ذات میں مدغم ہوجاتا ہے جس طرح قطرہ دریا میں اور جب تک اِسے شعور حاصل نہ ہو وہ جونی چکر میں مبتلا رہتا ہے۔ پس علم ومعرفت یا گیان میں نظریہ نجات ہے۔

فلسفہ سانکھیہ:

اپنشد میں جس فلسفہ وحدت الوجود کا ذکر ہے اِس کے ردعمل میں یہ فلسفہ سامنے آیا۔ کپیلا نے اِس سسٹم کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ دو چیزیں ابدی ہیں۔ مادہ اور رُوح۔

دوسرے لفظوں میں مادہ اور روح کا تعلق اِس فلسفے کی بنیاد ہے کیونکہ مادہ اور روح کائنات کی بنیاد تصور ہوتے ہیں اور خدا کے وجود کا انکار کیا گیا ہے۔

یہ فلسفہ ہندوستان کے باقی فلسفوں کی نسبت قدیم ہے۔ یہ گوتم بدھ سے بھی قبل کا فلسفہ ہے۔ اِس کی تاریخ ۸۰۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تک بیان کی جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق تتی وسماس نامی کتاب میں کپیلا نے اِس فلسفے کی وضاحت کی۔ بعد ازاں کپیلا کے شاگرد آسوری پھران کے شاگرد پنکا سکھا نے اِس کی شرح لکھی۔ دوسری روایت میں تتی وسماس کو بہت بعد کی تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ لال ورمن رقمطراز ہیں۔ یہی کیفیت ''سانکھیہ تتوسماس'' کی ہے۔ سانکھیہ سوتر جامع کتاب ہے اور یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔

سانکھیہ کہتا ہے تمام دُنیا مصیبت سے چل رہی ہے۔ ہر جگہ کشمکش کا سلسلہ جاری ہے کسی کو خیالی تکلیف ہے کوئی دلی مصائب میں مبتلا ہے کسی کو جسمانی عوارض لاحق ہیں۔ ایک بھی ایسا وجود نظر نہیں آتا جس کو دُکھ درد کی شکایت نہ ہو۔ دُنیا سچ مچ ایک آتش کدہ ہے۔ جس میں ساری مخلوق ایندھن بن کر جل رہی ہے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ پیدائش میں دُکھ، نشونما میں دُکھ، جوانی اور ضعیفی میں دُکھ اور موت میں دُکھ ہے۔ جس کی طرف دیکھو کشمکش میں ہے، الغرض یہ دنیا سچ مچ مصیبت سرا ہے۔ انسان کس طرح مصیبتوں سے بچ سکتا ہے اور کیا وسیلہ ہے جس کی مدد سے وہ جیے یا موت

کے بعد غالب آ کر موکش (نجات) کے درجے کو حاصل کر سکے، یہ نجات صرف سچے گیان سے مِل سکتی ہے اور گیان یہ ہے کہ پروشہ (اور) پراکرتی یعنی روح اور مادہ کے تعلقات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اُن کو علم کی آنکھ سے دیکھ لیا جائے۔

سانکھیہ فلسفے کے نزدیک جب پراکرتی (مادہ) کا روح سے میل (ملاپ) ہوتا ہے تو اِس کی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہے، اِس تغیر حالت کا نام بدُھی (ذہانت) ہے۔ یہ دوسرا مرحلہ یا اصول ہے۔تیسرے مرحلے میں بدی سے خودی (خودشعوری، انانیت) جنم لیتی ہے۔ چوتھے مرحلے میں حواس خمسہ وجود میں آتے ہیں۔(آواز، لمس، شکل، ذائقہ، بوُ) پانچویں مرحلے میں دل (من) وجود میں آتا ہے۔ چھٹے مرحلے میں آنکھ، کان، ناک، زبان، چرم وجود میں آتے ہیں۔ ساتویں مرحلے میں قوت گفتار، ہاتھ، پاؤں، آلہ تولید، آلہ اخراج پیدا ہوتے ہیں۔ آٹھویں اور آخر میں ہوا، آگ، پانی اور مٹی کا وجود عمل میں آتا ہے۔اس طرح یہ عمل مکمل ہوتا ہے۔سانکھیہ کے نذدیک علت (وجہ) ہے۔معلول (نتیجہ) نہیں ہے۔ سانکھیہ کے نذدیک پورش (روح) اور پراکرتی (مادہ) کے ملاپ سے ایک طاقت پیدا ہوتی ہے پھر بتدریج ایک کے بعد دوسری حالات پیدا ہو کر پیدایش کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔

روح آزاد ہے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ کسی کو پیدا کرتی ہے اور ابدی، غیر مادی تغیر اور مفرد وجود ہے (اور یہ ارواح بے شمار ہیں) اِسکی تائید میں کہا گیا ہے کہ اگر روح متعدد نہ ہوتی تو ایک کے مرنے سے سب مر جاتے، ایک کے بہرے یا گونگے ہونے سے سارے گونگے ہوتے، ایک کے بولنے سے سب بولنے لگتے۔

پراکرتی یا مادہ صرف تین صفات سے متصف ہے رجس، ستوہ اور تمس۔اِن کو تین گن کہا گیا ہے گن سے مراد محض صفات نہیں بلکہ خود جوہر ہے اور مادہ میں

شامل ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ تینوں مادہ میں شامل ہیں، یعنی یہ مادہ ہیں۔ستوہ میں روشنی ہے، رجس میں تحریک ہے اور تمس میں جمود ہے۔سانکھیہ فلسفے کے مطابق یہ تینوں صفات جنگل میں درختوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔درخت ہیں تو جنگل ہے ورنہ جنگل کا وجود کہاں۔دوسری مثال اِسکی دیے، اِس میں تیل اور آگ سے دی گئی ہے۔ تینوں مل کر روشنی کا سبب بنتے ہیں۔

مادہ روح کے نکل جانے کے بعد برباد ہو جاتا ہے۔روح اور مادہ میں تضاد ہے۔جب تک دونوں میں سمجھوتہ ہے حیات ہے جدائی میں ممات ہے، تاہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔

روح اور مادے کے تعلق کو واضح کرنے کیلئے ایک تشبیہ استعمال کی گئی جو ساری دُنیا میں بہت مشہور ہوئی کہ ایک لنگڑے اور اندھے کو کہیں جانا تھا، لنگڑا چلنے سے ، اندھا راستے کا پتہ بتانے سے معذور تھا۔اِسلئے اندھے نے لنگڑے کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا اور دونوں اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔یہاں لنگڑے سے مراد روح اور اندھے سے مادہ اور منزل مقصود سے مراد وہ سارے کام ہیں جو شعور اور مادی وسیلوں سے انجام پاتے ہیں۔

المختصر روح کے وجود، مادہ کے علم، اِنکا آپس میں تعلق، اِن کے ملاپ سے انسان حیات کا ممکن ہونا پھر اِن کے حواس کی خاصیت کا علم فلسفہ سانکھیہ کی بنیاد ہے۔اہم بات یہ ہے کہ اِس فلسفے میں خدا کا اِنکار کیا گیا ہے اور اِنسانی حیات کا دارومدار مادہ اور روح پر رکھا گیا ہے۔

فلسفہ یوگ:

اِس فلسفہ کا بانی پتنجلی ہے۔اِس کی تصنیف یوگ سوترا ہے۔سانکھیہ سے

سب سے زیادہ قریب یوگ یا جوگ کی تعلیمات تھیں۔ دراصل اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سوائے اِس کے کہ یوگ مانتے تھے کہ کائنات کا ایک خالق یا ایشور ہے اور سانکھیہ فلسفی مادے اور پرشوں سے ماورا کی ذات یا وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ یوگ کی تعلیم نظری نہیں بلکہ عملی تھی، اِس میں عقل کو مادی پابندیوں اور روح کو جسم کے قید خانے سے آزاد کرنے کی ترکیبیں بتائی جاتی تھیں۔ جن پر عمل کرنے سے نجات حاصل ہوسکتی تھی، ریاضت اور دھیان کے ذریعے جسم اور حواس پر قابو پانے کے لئے مشقوں اور عملوں کا چرچا عام تھا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انسان یوگ کے ذریعے اپنی قوت اور اختیار کو بہت بڑھا سکتا ہے۔ پانی پر چل سکتا ہے، ہوا میں اُڑ سکتا ہے، ذہنی قوت کو اِتنا بڑھا سکتا ہے کہ غیب کا علم ہو جائے اِس سے لوگ یوگیوں سے بہت مرعوب رہتے تھے۔

فلسفہ یوگ کا مقصد اعلیٰ و برتر ذات کی منزل تک پہنچنا ہے جہاں پراکرتی (مادہ) کا وجود نہ رہے اور انسان ہر قسم کے علائق سے پاک ہو جائے ایسی حالت تک پہنچنے کیلئے جسم میں مکمل شانتی ہو اور جہاں ذات یا آتما اپنی پوری تجلی سے ظاہر ہو سکے اس کے لئے ریاضتوں کی ضرورت ہے جسے ڈسپلن بھی کہا جاتا ہے۔ اِس کے آٹھ درجے ہیں۔

۱۔ یاما: اپنے آپ کو قابو میں رکھنا، یعنی اپنے اِرادے کو صحیح سمت میں ڈالنا۔

۲۔ نیاما: اخلاقی راستے پر چلنا۔ پاکدامنی، قناعت، صحیح اُمنگ اور فلسفے کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔

۳۔ آسن: (posture) نشست، بیٹھنا، ایسی نشست جس میں انسانی اعضاء کو سکون حاصل ہوتا ہے، انسان غور و فکر کر سکتا ہے اِس کے لئے کامل اُستاد کی ضرورت ہے۔

۴۔ پرنایاما: سانس کو اپنے کنٹرول میں رکھنا یعنی دم کش۔ ناک کے راستے سانس کھینچنا پھر آہستہ آہستہ چھوڑنا، اِس کیلئے بھی ایک قابل اُستاد کی ضرورت ہے۔ اِس میں کاملیت اختیار کرنے کے بعد مراقبہ شروع کرنا چاہیے۔

۵۔ پرتیاہار: تمام حواس کو بند کر لینا یعنی حواس پر تسلط حاصل کرنا۔
٦۔ دھرنا: اتحاد کو سٹیڈی steady رکھنا حقیقی مطلوب تک رسائی، اِس کے لئے ضروری ہے کہ اِنسان کا ظاہری اور باطنی تصور ایک ہو جائے۔
۷۔ دھیان: غور و فکر کرنا تمام علائق سے رشتہ توڑ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو جانا۔
۸۔ وجد میں آنا: اِس کو سمادھی کہتے ہیں۔ یہ یوگ کی اعلیٰ ترین صورت ہیں۔ جب انسان اللہ کی محبت میں اتنا محو ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بھی بے گانہ ہو جاتا ہے۔ یہ اعلیٰ مقام ہے جو کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے۔ یوگی کی ریاضت کی اصل بنیاد ضبطِ نفس اور اخلاقی راستے پر چلنا ہے۔ اصل مقصود حرص و ہوا کا خاتمہ اور خودی سے نجات ہے۔ ہر چیز سے لاتعلقی کا اظہار ہے۔ لاتعلقی جبر سے نہیں بلکہ ایک عادت بن جائے اور انسان روحِ کل کے ساتھ وصال کر جائے۔

المختصر یوگ فلسفے کا مقصد خواہشات اور جذبات پر قابو پا کر جونی چکر سے نجات حاصل کرنا ہے آج بھی اِس فلسفے پر ہندوستان میں عمل کیا جاتا ہے۔

حصول نجات کے علاوہ موجودہ دور میں اِس کو ورزش کا ایک طریقہ کہا گیا ہے۔ ہندووں کے ہاں تپسیا یعنی ریاضت سے حیرت انگیز طاقتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ریاضتوں کے مختلف درجے ہیں اور اپنے فائدے ہیں۔ جسم کو کنٹرول کرنے سے انسان سردی گرمی کے اثر سے بچ جاتا ہے۔ اگر توجہ جسمانی طاقت پر مرکوز ہو تو انسان اپنے تئیں طاقت ور محسوس کرتا ہے یوگی ماضی، حال، مستقبل کے حالات جاننے لگتا ہے۔ پتن جلی کے مطابق تپسیا سے چھپی ہوئی مخفی اشیاء، کائنات، ستاروں بھرے آسمان، جسمانی ساخت، غرض کہ ہر شے کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ اگر انسان پروشہ اور پراکرتی کا فرق معلوم کرے تو اِسے تمام موجودات کی حالتوں پر اتھارٹی مل جائے گی اور اِسے ہر شے کا علم حاصل ہو جائے گا۔

جموں کشمیر

۱۸۵۷ء میں دہلی پر براہ راست برطانوی حکومت قائم ہو جانے کے بعد برطانوی حکمرانوں نے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ایک حصہ گیارہ صوبوں پر مشتمل تھا جن کا انتظام براہ راست برطانوی حکومت چلاتی تھی اور یہ صوبے کہلاتے تھے۔ دوسرا حصہ جو ۵۶۲ ریاستوں پر مشتمل تھا اِن کا داخلی نظام مقامی حکمران اور نواب چلاتے تھے اور خارجی امور برطانوی حکومت دیکھتی تھی۔ جہاں تک صوبوں کی بات ہے اِن گیارہ صوبوں میں پانچ ایسے صوبے (بلوچستان ،سندھ ،سرحد، پنجاب اور بنگال) تھے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ریاستوں میں پانچ ریاستیں (کشمیر، کپورتھلہ، بہاول پور ،خیر پور اور قلات)ایسی ریاستیں تھیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اِن میں دو ریاستوں (کشمیراور کپورتھلہ) کے حکمران ہندو تھے۔ باقی تین ریاستوں میں اکثریت ہندووں کی تھی۔اِن ریاستوں میں پانچ ریاستیں (حیدرآباد، جونا گڈھ، بھوپال،ٹونک اور رام پور) ایسی ریاستیں تھیں جہاں آبادی میں ہندووں کی اکثریت تھی مگر حکمران مسلمان تھے۔تقسیم برصغیر کے لئے تینوں فریقوں انگریز،مسلمان اور ہندووں کے درمیان طے پائے اصولوں کے مطابق مسلم اکثریتی صوبے اور ریاستیں پاکستان کا اور ہندو اکثریتی صوبے اور ریاستیں بھارت کا حصہ بننے والی تھیں۔اِن میں کسی صوبے یا ریاست کو خودمختار رہنے کی اجازت نہیں تھی۔نظام حیدرآباد عثمان علی نے حیدرآباد کو آزاد اور خودمختار رکھنے کی کافی کوششیں کیں مگر ماونٹ بیٹن نے اِن کی کاوشوں کو مسترد کرتے ہوئے اِن پر بھارت کے ساتھ الحاق کرنے پر یہ کہہ کر دباوڈالا کہ ریاست حیدرآباد میں ہندو اکثریت ہے،اِس پر بھی جب تقریباً ایک ماہ تک نظام نے بھارت کے ساتھ الحاق نہیں کیا بھارتی حکمرانوں نے ۱۳ستمبر ۱۹۴۸ء کو حیدآباد پر فوجی حملے کے ذریعے قبضہ کر کے حیدرآباد کو مختلف

حصوں میں تقسیم کر کے بھارتی صوبوں میں شامل کیا۔ ماونٹ بیٹن، ریڈکلف، موہن داس گاندھی، پنڈت نہرو، ہری سنگھ، شیخ عبداللہ نے مل کر کس طرح تقسیم برصغیر کے لئے طے پائے اصولوں کی صریحی خلاف ورزی کرتے ہوئے جموں کشمیر کی اِس مسلم اکثریت والی ریاست کو جسکو پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا غیر فطری طور زبردستی بھارت کے ساتھ جوڑ دیا یہ ایک ایسا انسانی المیہ اور سیاسی دھوکہ ہے جس نے برصغیر پاک و ہند کو پچھلے ٦٧ سالوں سے میدانِ جنگ میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ نہ بھارتی حکمران اپنے سامراجی عزائم ترک کر کے جموں کشمیر پر اپنا ناجائز قبضہ ختم کرنے کیلئے تیار ہیں اور نہ ہی ملت مظلوم کشمیری مسلمان اِس ناجائز قبضے کے خلاف اپنی جائز جدوجہد ترک کرنے کے متعلق سوچ سکتے ہیں۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ جب تک جموں کشمیر پر بھارت کا قبضہ ہے برصغیر میں جنگ جیسی حالت مستقل طور پر رہے گی اور امن کی حالت عارضی طور ہی پیدا ہوسکتی ہے جموں کشمیر کو Indian Nation state اور Indian society کا حصہ بنانے کے لئے بھارتی حکمران، دانشور، صحافی، فوج، پولیس، سراغرساں ادارے اور ذرائع ابلاغ سب اِس بات پر متفق ہیں کہ جموں کشمیر کو بھارت کا ''اٹوٹ انگ'' بنانے کے لئے یہاں کی مسلم اکثریت کو پہلے اقلیت میں پھر اِس کا مکمل صفایا کرنا ناگزیر ہے۔ اِس سامراجی اور برہمنی منصوبے پر ٹھیک اُسی وقت سے کام شروع ہو چکا ہے جب بھارتی ہندو قائدین پر یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ انگریز برصغیر کو چھوڑ کر جارہے ہیں۔ اِسی زمانے سے انڈین نیشنل کانگریس نے شیخ عبد اللہ جو بدقسمتی سے اس وقت کشمیر کے مقبول سیاسی لیڈر تھے کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کئے اور کشمیر کی سیاست میں اپنے سامراجی منصوبوں کے مطابق مداخلت شروع کی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موثر ہوتی گئی۔ جموں کشمیر کے مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کا یہ کام جموں سے شروع کر دیا گیا۔ ہماری اِس

تحریر کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم زمینی حقائق اور مستند شہادتوں کی بنیاد پر یہ بات ثابت کریں کہ جموں کشمیر میں مسلمانوں کا مکمل صفایا کر کے اِس کو ''ہندو تیرتھ'' میں تبدیل کرنا بھارتی حکمرانوں کا اصلی مقصد ہے۔ جموں کشمیر میں پہلے دوا دوار میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے گا: پہلا دور(۲۰۴۷ء۔ ۱۹۴۷ء)اِس سو سالہ مدت میں یہاں کی مسلم اکثریت کو ۴۵ تا ۴۸ فیصد کے قریب اقلیت میں تبدیل کیا جائے گا(اس وقت جموں کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی 68فی صد ہے)۔ پھر دوسرے دور(۲۰۹۷ء۔ ۲۰۴۷ء)میں اِس اقلیت کو ۱۵ تا ۲۰ فی صد کے قریب اقلیت میں تبدیل کیا جائے گا۔ اِس طرح ۱۵۰ سالہ مدت میں یہاں مسلمانوں کا صفایا کیا جائے گا۔ اِس مدت کا تعین ہم نے قیاس یا خیال پر نہیں کیا ہے بلکہ جس طرح قوموں کی تاریخ اور حکومتوں کے عروج اور زوال کے لئے ۱۰۰ تا ۱۵۰ سال کی مدت ہی فیصلہ کُن ثابت ہوتی ہے۔ اِسی طرح کسی ریاست جس کی آبادی ایک کروڑ سے زائد ہو وہاں کی ۶۵ یا ۷۰ فیصد اکثریت کو پہلے اقلیت میں اور پھر مکمل طور اِس کا صفایا کرنے کے لئے بھی تقریباً یہی مدت درکار ہوتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں کا صفایا ۱۱۹ سال (۱۶۱۱ء۔ ۱۴۹۲ء) کی مدت میں کیا گیا۔ فلسطین میں مسلمانوں کا صفایا ۱۱۷ سال (۲۰۱۴ء۔ ۱۸۹۷ء) کی مدت میں کیا گیا، کشمیر کی تاریخ کے ۴۸۰ سال (۱۸۱۹ء۔ ۱۳۳۹ء)مسلمانوں کے لئے انتہائی اہم ہیں کیونکہ اِسی پانچ صدیوں پر محیط دور میں ملت اِسلامیہ کا تاریخی، تہذیبی، دینی، سیاسی، سماجی، معاشی اور علمی وادبی سرمایہ تیار ہوا۔ فکر ونظر نے توحید اور دل ودماغ نے حجاز کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ ۱۳۳۹ء سے پہلے ہندو کشمیر اور ۱۸۱۹ء کے بعد ہندووں کی حکمرانی میں مسلم کشمیر، یہ درمیانی مدت ہی اصل میں بھارتی ہندو حکمرانوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہے۔ ۱۸۱۹ء میں جموں کشمیر پر سکھوں کے قبضے کے فوراً بعد سکھ حکمرانوں

نے اس مدت (اِسلامی دور/مسلم حکمرانوں کا دور) کے آثار وعلامات کو مٹانے کا کام شروع کیا جو اِن کے بعد جموں کے ڈوگرہ ہندوحکمرانوں نے انتہائی سفاکانہ طور جاری رکھا اور اِن کے بعد بھارتی ہندو حکمران اِس سلسلے کو منظّم، مربوط اور منصوبہ بند طریقے سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے تاریخ سے اِس مدت کو حذف کرنا ممکن نہیں ہے مگر اِس مدت میں جو تبدیلیاں یہاں کے لوگوں میں آئیں اُن کو ضرور زائل کیا جا سکتا ہے اور اُن کو زائل کرنے کے کئی طریقے اندلس اور فلسطین میں کامیابی کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً ان کا معاشی ترقی اور خوشحالی کی آڑ میں شدھی کرن کیا جائے، جین مت، بُدھ مت اور سکھ مت کی طرح اِسلام کو بھی ہندوازم میں اصلاح کی تحریک اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا ہی ایک sect ہونے پر آمادہ کیا جائے اس کیلئے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وشنو یا شیو کا اوتار قرار دیا جائے، ہندوازم کی قوتِ assimilation سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، ہندوازم کو بعض مفکرین Storehouse of Religions قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو اِسلامی تشخص کے بجائے ہندتو کی شناخت اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا جائے۔ اب جو مسلمان اس بات پر آمادہ نہ ہوں، اُن کے لئے دو ہی آپشن ہیں، قتل کئے جائیں یا پھر کشمیر چھوڑنے پر مجبور کئے جائیں تاکہ کشمیر کو 'ملیچھ' سے پاک کر کے دوبارہ ہندوؤں کا تیرتھ بنا دیا جائے۔

''ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دُنیا میں جتنے بھی تیرتھ (مقدس مقامات) ہیں، اُن میں ہر ایک تیرتھ کا قائمقام کشمیر میں موجود ہے اور کشمیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے تیرتھ پر جانے کی ضرورت نہیں۔'' (دبستان مذاہب)

ولبھ پٹیل سے لے کر موہن بھاگوت تک بھارتی سیاسی لیڈر ہوں یا گری لال جین سے لے کر جگموہن تک بھارتی اہل قلم سب کشمیر کو 'ہندو کشمیر' سمجھتے ہیں اِس لئے مسلم کشمیر کو ہندو کشمیر میں تبدیل کرنے پر باہم متفق ہیں۔

سیکولر جمہوری نظام مذہبی اقلیتوں کے لئے بدترین سیاسی نظام ثابت ہوا ہے۔ مذہبی اکثریت کی آمریت پر مبنی اِس نظام سیاست نے عملاً مذہبی اقلیتوں کو مذہبی اکثریت کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔ اِس طرح کی کئی مثالیں دُنیا کے کئی جمہوری مما لک میں ملتی ہیں کہ مذہبی، نسلی اور لسانی اقلیتیں دوسرے درجے کے شہری بن گئی ہیں۔ بھارت کا جمہوری نظام اِس حقیقت کی بدترین مثال ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۲۲ کروڑ ہے مگر پھر بھی اُن کو اقلیت ہی سمجھا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب سیکولر سیاسی نظام میں سٹیٹ سیکولر ہے اور سٹیٹ ہر شہری کے ساتھ اِس کے مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ اِس کی شہریت کی بنیاد پر مساویانہ سلوک کا وعدہ کرتی ہے پھر یہ اکثریت اور اقلیت کی تفریق کیسے پیدا ہوگئی؟ اقلیتوں کے لئے وزارتیں اور ادارے کیوں قائم کئے جاتے ہیں؟ اقلیتوں کی فلاح و بہبود کیلئے طرح طرح کی اسکیمیں کیوں بنائی جاتی ہیں؟ کیا یہ سب چیزیں اِس بات کا ثبوت نہیں کہ سیکولر سٹیٹ بھی مذہبی اکثریت کی ہر طرح کی برتری اور اجارہ داری کا اعتراف کرتی ہے! اور یہی حقیقت بھی ہے کہ سیکولر جمہوری مما لک عملاً سیکولر نہیں ہوتے بلکہ وہاں سٹیٹ کا مذہب وہی ہوتا ہے جو وہاں کی اکثریت کا مذہب ہوتا ہے کیونکہ وہاں قانون ساز اداروں میں ہمیشہ اکثریت مذہبی اکثریت کے نمائندوں کی ہوتی ہے اور یہ غیر فطری بات ہے کہ ایک اِنسان کے جذبات، احساسات اور خواہشات پوری طرح مذہبی اثر و رسوخ سے آزاد ہوں۔ بھارت میں مسلمان کس طرح کی سیاسی، بے وقعتی، تعلیمی پسماندگی، سماجی کسمپرسی اور معاشی بدحالی سے دوچار ہیں۔ اِس سے پوری دُنیا باخبر ہے اور سچر رپوٹ نے مسلمانوں کی اِس تباہ حالی کی ایک ہلکی سی تصویر پیش کی ہے۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ جموں کشمیر میں بھارتی منصوبوں کے مطابق جب مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے گا از خود اُن کے سیاسی اہداف بھی تبدیل ہونگے مثلاً اس وقت

کشمیری مسلمانوں کا واحد سیاسی ہدف یہ ہے کہ بھارت سے مکمل آزادی حاصل کی جائے۔ (بھارت نواز منحرفین صرف خواہشات نفس کی ترجمانی کرتے ہیں) یعنی ہماری سیاست مزاحمتی تحریک ہے۔ (بحیثیت مسلمان تنازع للبقا) پھر جب یہی مسلمان اقلیت میں ہوں وہ بھی ۱۵ یا ۲۰ فیصد کی اقلیت وہ مزاحمتی سیاست کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، پھر اِن کے سیاسی اہداف صرف حقوق اور مراعات کا حصول ہونگے بالکل جس طرح بھارت کے ۱۵ فیصد مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی قائدین کے متعلق آپ ہمیشہ دیکھیں گے وہ حقوق اور مراعات کی ہی باتیں کرتے ہیں اور اِنہی حقوق اور مراعات کیلئے کبھی کانگریس کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو کبھی ملائم سنگھ کی سائیکل کی سواری کرتے ہیں، کبھی مایاوتی کے ہاتھی کی دُم پکڑتے ہیں تو کبھی دن کی روشنی میں لالو یادو کی لالٹین لے کر نکلتے ہے اور آج کل کنول سونگھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ معنی یہ کہ وہ کبھی بھی بھارت میں مسلمانوں کی سیاست حاکمہ کے متعلق اور نہ ہی نظام اِسلامی کے متعلق سوچ سکتے ہیں، حق بھی یہی ہے کفار کی غلامی پر آمادہ مسلمانوں کے لئے شریعت نازل نہیں ہوئی ہے۔ المختصر جموں کشمیر میں بھی مسلمانوں کی (اقلیت میں تبدیل ہونے کے بعد) وہی حالت ہوگی جو فی الوقت بھارت میں مسلمان اقلیت کی ہے۔

بھارت میں کنیا کماری سے مادھو پور تک ہر ریاست میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اِس لئے ظاہر ہے جموں کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنانے اور بھارتی رنگ میں رنگنے کے لئے ضروری ہے دیگر بھارتی ریاستوں کی طرح جموں کشمیر میں بھی مسلمان اقلیت میں ہوں اِس لئے جموں کشمیر میں پاکستان سے آئے ہندو مہاجرین، سابقہ بھارتی فوجیوں اور شمالی بھارت کے برہمنوں کو بسانے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ یہاں ہم جموں کشمیر کے متعلق بھارتی ہندو سامراجی عزائم کے متعلق کچھ گذارشات کریں گے۔

کشمیر کے متعلق بھارتی سامراجی منصوبوں کی نشاندہی:

ملت اِسلامیہ جموں کشمیر مسلسل دوصدیوں سے (۱۸۱۸ء میں سکھوں نے کشمیر پر قبضہ کیا) بدترین اور ذلت آمیز غلامی سے دوچار ہے۔غلامی چونکہ اِنسان کی فطرت کے خلاف ہے اِسلئے ظاہر ہے جوکوئی ملت مسلسل دوصدیوں سے خلافِ فطرت غیرمستقیم (Abnormal) زندگی گزار رہی ہو اِس کے عقائد اورنظریات ہی خراب نہیں ہوتے بلکہ اُس کی زندگی کے متعلق ترجیحات بھی تبدیل ہوجاتی ہیں۔وہ رُوحانی تقاضوں کے بجائے مادی تقاضوں کی تکمیل کیلئے ہی متفکر رہتی ہے،اُن میں اعلیٰ اور ارفع اوصاف جواخلاقی اور روحانی نشونما کیلئے ناگزیرہوتے ہیں بتدریج ختم اور سفلی اور کمینہ خصائل عام ہوجاتی ہیں۔اِلا ماشا اللہ،مصر میں بنی اِسرائیل کی قوم طویل زمانے تک فرعون کی غلام رہی بسبب غلامی اِن میں جو بدترین فکری وعلمی گمراہیاں اور بدعملیاں پیدا ہوئیں اِس کے باوجود کہ وہ انبیائے کرام کی نسل تھی اِس کا تفصیلی تذکرہ قرآن مجید کی کئی سورتوں میں آیا ہے۔غلامی کی دوصدیوں کی اِس مدت میں ملتِ اِسلامیہ کے عقائد اور افکار میں رسوم اور رواج میں عادات اور اطوار میں کس کس طرح کی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اِسکی فہرست لمبی ہے اور بہت لمبی ہے۔مگر بفضل تعالیٰ اِس غلامی کے خلاف کسی نہ کسی صورت میں یہاں آواز بلند ہوتی رہی۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۹۳۱ء تک اِن مزاحمتی کاوشوں کی تاریخ میں اگرچہ چندہی مثالیں ملتی ہیں مگر ۱۹۳۱ء کے بعد تسلسل کے ساتھ تحریک مزاحمت کی تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے۔ کشمیر کی تحریک مزاحمت بنیادی طور ملتِ اِسلامیہ کہ دینی تحریک ہے کیونکہ اِسکی تاریخی اورنظریاتی جڑیں تقسیم برصغیر کے ساتھ پیوستہ ہیں اور اِس کا مقصد وحید یہ ہے کہ ملتِ اِسلامیہ بحیثیتِ مسلم اُمت اپنے عقائد ونظریات اورتہذیب وتشخص کے ساتھ زندگی

گزارے اور بھارتی حکمرانوں کے برہمن وادنظریہ تثلیث (ہندو، ہندتو، ہندوراشٹر) میں ضم اور جذب ہونے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور اِس کی واحد صورت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں برصغیر میں جو مذہب کی بنیاد پر ریاستوں اور صوبوں کی شیرازہ بندی ہوئی اِس میں اِسلامی تہذیب اور تشخص کی بنیاد پر قائم ہوئے پاکستان کا حصہ بنے۔

جموں کشمیر کو پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا نہ صرف اِسلئے کہ جن نظریاتی اصولوں پر برصغیر کی شیرازہ بندی ہوئی اِن کے مطابق ۸۱ فیصد مسلم اکثریت والی اِس ریاست کا پاکستان کا حصہ بننا یقینی تھا بلکہ جغرافیائی طور بھی یہ ریاست پاکستان کا ہی حصہ ہوسکتی ہے۔جموں کشمیر کی ۸۲ فیصد سرحدیں چین، پاکستان اور افغانستان کے ساتھ ملتی ہیں اور صرف اٹھارہ فیصد سرحد ہندوستان کے ساتھ ملتی ہے اور اِس میں بھی صرف دو فیصد ایسی پٹی (اکھنور کو پنجاب سے جوڑنے والی) ہے جو قابل ٹریفک بنائی جاسکتی تھی اور جو جموں کو بھارتی ریاست پنجاب کے ساتھ جوڑتی ہے۔حقیقت یہ ہے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے دن لارڈ ماونٹ بیٹن کے اعلان کے مطابق جس میں پورا ضلع گرداس پور پاکستان میں شامل بتایا گیا اگر تبدیل نہیں کیا جا تا کشمیر پوری طرح پاکستان کے سرحدوں میں آجاتا اور ہندوستان کے ساتھ اِس کا کوئی جغرافیائی تعلق نہیں رہتا مگر ریڈکلف نے تاریخی بددیانتی کر کے ضلع گرداس پور کے چار تحصیلوں میں ایک تحصیل شکر گڈھ کو چھوڑ کر تین تحصیل (گرداس پور، بٹالہ، پٹھان کوٹ) بھارت کو دیئے اِس کے باوجود کی گرداس پور اور بٹالہ دونوں مسلم اکثریت والے تحصیل تھے، ہندوستان کو جموں کشمیر کے ساتھ زمینی رابطہ حاصل ہوگیا۔جموں کشمیر پر بھارتی قبضے کو صرف برصغیر کی غیر منصفانہ تقسیم یا بھارت کی جغرافیائی استعماریت کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ جموں کشمیر کے متعلق بھارتی حکمرانوں کے برہمنی عزائم کشمیر کو ہندووں کا تیرتھ بنانے اور اِس نظریاتی تصادُم کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے جو سیکولر متحدہ

قومیت (ہندتو) کی علم بردار اِنڈین نیشنل کانگریس اور اِسلامی تہذیب اور تشخص کی بنیاد پر برصغیر میں مسلم ریاست کی علم بردار جماعت مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۳۴ء کے بعد فیصلہ کُن مرحلے میں داخل ہو چُکا تھا۔ ہندو کانگریس ہر اعتبار سے (سامراجی اعتبار سے بھی) مکمل طور برصغیر میں برطانیہ کی جانشین بننا چاہتی تھی اور یہ دعویٰ کرتی تھی کہ برصغیر میں صرف دوقوتیں ہیں، برطانوی تاج اور کانگریس، وہ برصغیر میں بارہ سوسالہ مسلم ریاست کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے برصغیر کو اشوک، ہرش وردھن اور وکرم دتیہ کے دور کا 'آریہ ورت' اور 'بھارت ورش' بنانا چاہتی تھی، اِس لئے وہ مسلمانوں کو الگ قوم اور مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو کسی بھی صورت میں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی کیونکہ وہ لالہ ہردیال کے ہندوستان کے متعلق خاکے میں رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں لاہور سے شائع ہونے والے اخبار 'پرتاپ' میں لالہ ہردیال نے محفوظ ہندوستان کے لئے یہ چار بنیادیں پیش کی تھیں۔۱۔ ہندو سنگھٹن ۲۔ ہندوراج ۳۔ مسلمانوں کا شدھی کرن (آج کل اِس کے لئے برہمن دہشت پسند جماعتیں 'گھر واپسی' کی اِصطلاح اِستعمال کرتی ہیں) ۴۔ افغانستان اور صوبہ سرحد پر قبضہ اور اِن کی شدھی۔ان کا کہنا تھا جب تک ہندو اِن چار مقاصد کو حاصل نہیں کرتے ہندو محفوظ نہیں ہیں۔سوامی دیانندا کی آریہ سماج اور سوامی شردھانندا کی شدھی سبھا اِنہی مقاصد کے لئے کام کرتی تھیں۔

برصغیر میں تاریخی مسلم ریاست (۱۸۵۷ء - ۷۱۲ء) کی نقیب مسلم لیگ نے جب اعتماد اور یقین کے ساتھ پاکستان کا مطالبہ کیا تو یہ برصغیر کو بھارت ورش بنانے کا خواب دیکھنے والی کانگریسی قیادت پر بجلی بن کر گرا کیوں کہ پاکستان کا مطلب یہ تھا کہ اِس برصغیر کو برہمنوں کی حکمرانی میں ہندو برصغیر میں تبدیل کرنا اور متحدہ قومی کلچرل نیشنلزم کی بنیاد پر مسلمانوں کی شدھی کرن کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں عرب سے

وارد ہوئے اِسلام کو جین مت ،بدھ مت اور سکھ مت کی طرح Absorb اور پھر Hindu Branch of Islam یا پھر سیدنا محمد رسول اللہﷺ کو شیو کا اوتار قرار دے کر اِسلام کو ہندوازم میں ہی شامل کرنا ممکن نہیں ہوگا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اِس طرح برصغیر میں توحید، رسالت اور آخرت جیسے آفاقی اور فلاحی عقائد پر مبنی اِسلام جو حریت اور عدل واخوت کا علم بردار ہے جس کے مزاج میں تبلیغ اور فطرت میں غلبہ ہے مسلسل ہم اوستی اور شرک پر مبنی ،ذات پات اور نسلی تفوق کے علم بردار ہندوازم کیلئے خطرہ بنا رہے گا۔ اِسلئے انگریز اور کانگریس دونوں کے لئے پاکستان نا قابل قبول تھا مگر ۱۹۴۶ء کے مرکزی اور صوبائی انتخابات کے نتائج نے برطانوی حکومت اور کانگریس دونوں کو پاکستان کی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اِس لئے اب دونوں پاکستان دُشمن طاقتوں کی ترجیح یہ تھی کہ اگر پاکستان بن جاتا ہے اِس کی حیثیت صرف بھارت کی کالونی کی ہو۔ اِسکی جغرافیائی سرحدیں بالکل محدود ہوں۔معاشی طور اتنا کمزور ہو کہ عملاً survive ہی نہ کر سکے اور فوجی طور ایسا کمزور کہ برصغیر کی غیر منصفانہ تقسیم اور پھر تقسیم کے بعد بھارتی حکمرانوں کے جو چند ریاستوں (جو ناگڑھ ، حیدرآباد، کشمیر) کے متعلق سامراجی عزائم ہیں اِن کی مزاحمت نہ کر سکے۔آزاد اور خود مختار بنگال اور آزاد اور خود مختار پختونستان کی حمایت ، بلوچستان میں پاکستان مخالف عناصر کی معاونت ، نظام حیدرآباد عثمان علی کی طرف سے حکومت پاکستان کو بھیجی گئی امدادی رقم کی ضبطی ، برطانوی ہند کے خزانے سے حکومت پاکستان کو ملنے والی ۷۵ کروڑ کی رقم میں ۵۰ کروڑ کی رقم کو روکنا، دِفاعی اور اِنتظامی ساز وسامان میں حکومت پاکستان کے حصے کو پوری طرح ادا نہ کرنا، کشمیر پر ناجائز طور قبضہ کر کے پاکستانی پنجاب کو سیراب کرنے والی دریاؤں پر کنٹرول حاصل کرنا اور سب سے اہم یہ کہ جموں کشمیر پر قبضہ کر کے پاکستان کی نظریاتی بنیادوں (برصغیر کے مسلمان عقیدے کی بنیاد پر ایک

جغرافیائی اور سیاسی اکائی ہیں) کو غلط اور کانگریس کے 'سیکولر متحدہ قومیت' کے تصور کو صحیح ثابت کرنے کی سعی، کھلی پاکستان دُشمن کوششیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے جب تک جموں کشمیر پر بھارت کا ناجائز قبضہ رہتا ہے نہ صرف تقسیم برصغیر کا عمل نامکمل ہے بلکہ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں اور خود پاکستان کے نام (لفظ 'ک' اسمیں کشمیر کے لئے شامل ہے) پر سوالیہ نشان رہے گا اور بھارتی حکمران جو کذب بیانی کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں بین الاقوامی سطح پر کشمیر کی مسلم اکثریتی ریاست کو اپنے نام نہاد سیکولرزم کی شہادت کے طور پیش کرتے رہیں گے۔ المختصر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تنازع کشمیر دراصل بھارت کے 'سیکولر متحدہ قومیت' (ہندتو) اور پاکستان کے اِسلامی تہذیب اور تشخص پر مبنی دوقومی نظریہ کے درمیان نظریاتی جنگ ہے۔

جموں وکشمیر کے متعلق بھارتی حکمرانوں کے سامراجی منصوبے (۱۹۴۷ء۔۲۰۱۵ء):

سیاسی سامراجیت کا پہلا مرحلہ:

۱۹۴۷ء سے قبل ہی کانگریسی قیادت نے جموں کشمیر میں اِس وقت کے عوامی لیڈر شیخ عبداللہ سے تعلقات قائم کئے، اِن کو نہرو کی قیادت میں قائم کی گئی۔ All India States Peoples Conference کا جنرل سیکریٹری بنایا گیا، ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف اِن کی قیادت میں جاری تحریک میں اِن کی حمایت کی گئی، اِس کی عزت افزائی اور مالی معاونت کی گئی، ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک مسلسل کانگریسی لیڈر کشمیر کا دورہ کرتے رہے، کشمیر کے مستقبل کے حوالے سے اِس کو کانگریسی عزائم کا

معاون بنانے کی کامیاب سعی ہوتی رہی۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ذاتی مراسم قائم کیئے۔شیخ عبداللہ جب بھی دہلی جاتے وہاں پنڈت نہرو کے ہاں اِن کا قیام ہوتا تھا وجے لکشمی پنڈت بھی وہاں خاطر داری کے لئے موجود رہتی۔ پنڈت نہرو کی ترغیب پر ہی مسلم کانفرنس کے اِسلامی تشخص کو شیخ عبداللہ نے سیکولر قومی رنگ دے کر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا۔کانگریسی قیادت کے کہنے پر ہی بعض کشمیری پنڈت لیڈروں (صراف،کلم،دھروغیرہ) نے نیشنل کانفرنس میں شمولیت اختیار کی جو بعد میں نیشنل کانفرنس میں کانگریس کے مخبر ہی ثابت ہوئے۔ چونکہ کانگریسی قیادت اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی جب برطانیہ نے برصغیر پاک و ہند سے رخصت ہونے کے عندیے دئے تھے کشمیر کو اپنی سامراجی اسکیم میں شامل کر دیا تھا اِس اسکیم میں کشمیر میں اہم ترین کردار شیخ عبداللہ کا بنتا تھا اِس لئے پوری کانگریسی قیادت نے شیخ عبداللہ پر ہی توجہ مرکوز کی تھی۔شیخ عبداللہ بھی پوری طرح کانگریسی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ قائداعظمؒ نے کئی بار کوششیں کیں اُن کو کانگریسی قیادت کے مکروہ اور ہندوعزائم سے آگاہ کرنے کی مگروہ 'من تو شدم تو من شدی' فریب سے نکل نہ سکے۔کشمیر پر قبضہ کرنے سے ایک ماہ پہلے ہی کانگریس کی قیادت نے شیخ عبداللہ کی جیل سے رہائی ممکن بنائی۔ یہ رہائی دراصل غلام محمد بخشی اور موہن داس گاندھی کی درمیان ہوئی بات چیت کے نتیجے میں عمل میں آئی،غلام محمد بخشی نے اگست ۱۹۴۷ء کے پہلے ہفتے میں گاندھی کے وادی کے دورے پر ان کے ساتھ ملاقات کر کے اُن سے یہ بات کہی تھی کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق ہو اِس کیلئے شیخ عبداللہ کی رہائی ناگزیر ہے۔اِس کے بعد ہی کانگریسی قیادت نے ہری سنگھ برد باؤڈال کر شیخ عبداللہ کی رہائی ممکن بنائی۔شیخ عبداللہ آتش چنار میں خود یہ عتراف کرتے ہیں کہ پنڈت نہرو نے ہری سنگھ کی درخواست الحاق کو اِسی وقت قبول کیا جب اُس نے (شیخ عبداللہ نے) نہرو کو الحاق کی

حمایت کی یقین دہانی کرائی۔ستمبر ۱۹۴۷ء میں حسب منصوبہ شیخ عبداللہ کو رہا کیا گیا اور نام نہاد الحاق اور وادی میں بھارتی فوجوں کی آمد کے خلاف عوامی احتجاج کو کچلنے کی ذمہ داری شیخ عبداللہ پر ایمرجنسی منتظم بنا کر ڈالی گئی جو اِس نے الحاق مخالف عوام پر بدترین مظالم ڈھا کر بخوبی نبھائی۔ اِس طرح کشمیر کی ملتِ اِسلامیہ کو جبراً بھارتی نشین سٹیٹ میں شامل کرنے کی غیر فطری کاوش کی گئی۔کشمیر کی ملتِ اسلامیہ کے خلاف اِس سامراجی سازش کے تین بنیادی کردار ہیں۔موہن داس گاندھی اور پنڈت نہرو نے کشمیر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ماونٹ بیٹن اور ریڈکلف نے اِس کیلئے جغرافیائی راستہ فراہم کیا اور ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ نے اس کے لئے سیاسی ماحول بنایا۔

سیاسی سامراجیت کا دوسرا مرحلہ:

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہوگئیں۔مارچ ۱۹۴۸ء میں شیخ عبداللہ کو ملت فروشی کا بھرپور معاوضہ کشمیر کی وزارت عظمٰی کی کُرسی کی صورت میں مل گیا۔ یہ نام نہاد الحاق جو ازروے دستاوز الحاق صرف امورِ دِفاع خارجہ اور مواصلات کے متعلق تھا۔معنی یہ کہ بھارتی پارلیمان کو جموں کشمیر میں بھارتی مرکزی فہرست کے ۱۹۷امور میں صرف ۱۳٦امور کے متعلق ہی قانون سازی کا اختیار تھا اور بھارتی آئین کے۲۲ابواب میں صرف ۹ کا اطلاق جموں کشمیر پر ہوتا تھا،اِس لئے بھارتی حکمرانوں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے فوراًبعد جموں کشمیر کی 'خصوصی پوزشن' (اٹانومی)کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔اس کیلئے جموں میں پرجا پریشد کی طرف سے 'اٹونامی' مخالف مہم شروع کی گئی۔'ایک نشان، ایک ودھان، ایک پردھان' اِس کی حمایت براہ راست کانگریسی قیادت کرتی تھی تاہم جموں میں اِس کا آرایس ایس کی طرف ہی منسوب سمجھا جاتا تھا شیخ عبداللہ اِس پر کانگریسی قیادت سے بگڑ گئے وہ 'الحاق عارضی' ہے، 'کشمیریوں کو راج شماری کا حق ملنا چاہیے' وغیرہ جیسے نعروں کے ذریعے

دہلی پر'اٹونامی' کے خلاف پر جاپریشد کی حمایت ختم کرنے اور یہ اَیجیٹیش ختم کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا چاہتے تھے۔مگر نہیں جانتے تھے اِن کی اہمیت اب وہ نہیں رہی ہے جو ۱۹۴۷ء میں تھی اور اِن ہی کے نقش قدم پر چل کراُن کے حواری بازار سیاست میں ملت فروشی کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔وزیر اعظم کی حیثیت سے اگست ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کو جیل بھیج دیا گیا۔پھر ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۱ء تک اُن کے دو ضمیر فروش ساتھیوں غلام محمد بخشی اور غلام محمد صادق کے ذریعے جموں کشمیر کی 'خصوصی پوزشن' ('اٹانومی') کی تجہیز و تکفین ہوئی اور پھر ۱۹۷۵ء میں شیخ عبداللہ کو یہ اچھی طرح باور کرایا گیا کہ تم ۱۹۵۳ء میں جس 'اٹونامی' پر مصر تھے اب وہ ختم ہو چکی ہے اور دفعہ ۳۷۰ کا اب صرف خول باقی رہ گیا ہے اور تم جس ملک کی حمایت اور معاونت سے محاذ رائے شماری کی تحریک چلا رہے تھے اِس کو ہم نے دولخت کر دیا ہے اِس لئے بہتر ہے "کشمیر کی ترقی اور خوشحالی" (ملتِ اِسلامیہ کشمیر کی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کیلئے سامراجی حکمران ہمیشہ اِنہی اِصطلاحوں کا استعمال کرتے ہیں) کیلئے ہمارے ساتھ کام کیجئے۔شیخ عبداللہ اِس کیلئے بالکل تیار تھے،اِسطرح جموں کشمیر کو بھارتی نیشن سٹیٹ میں شامل کرنے کا دوسرا سامراجی مرحلہ بھی طے ہو گیا۔

پاک بھارت جنگ:

ڈوگرہ پولیس اور آر ایس ایس کے مظالم کے خلاف پونچھ سے شروع ہونے والی عوامی مزاحمت جسے عموماً قبائلی حملے سے موسوم کیا جاتا ہے اور پھر ہری سنگھ کو الحاق ہند کیلئے مجبور کرنے کیلئے اِنہی قبائلی حملہ آوروں کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے، حالانکہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء پہلے ہی بھارتی حکمرانوں نے کشمیر پر قبضہ کرنے کی تمام طرح کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور اِس بات کی ناقابل تردید شہادتیں خود بھارتی حکمرانوں کی لکھی یا اِن پر لکھی ہوئی کتابوں سے ملتی ہیں۔اگر حکومتِ پاکستان شامل ہوتی پھر وہ

مسلح دستے جلد از جلد سرینگر اورایر پورٹ پہنچنے کی اہمیت اچھی طرح سمجھتے اور سرینگر اور ائیر پوٹ پہنچنے میں قطعاً تاخیر نہ کرتے جو اِن مسلح دستوں نے کی حقیقت یہ ہے جب قائدعظمؒ کوکشمیر میں بھارتی افواج کے داخل ہونے کی اطلاع دی گئی اِنہوں نے فوراً افواج پاکستان کے انگریز سر براہ ڈگلس گریسی کوکشمیر فوجیں بھیجنے کا حکم دیا مگر انگریز فوجی سر براہ نے اِن کا حکم ماننے سے اِنکار کر دیا۔ اِس لئے یہ صرف بھارتی حکمرانوں اور ذرائع ابلاغ کا پرپگنڈا ہے کہ اگر پاکستان کے مسلح دستے کشمیر میں داخل نہ ہوتے تو ہری سنگھ الحاقِ ہند کے لئے مجبور نہ ہوتا۔ اِس پرپگنڈا سے وہ اُن سامراجی منصوبوں اور عملی کاوشوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جو اُنہوں نے ۱۹۳۸ء سے ہی کشمیر پر قبضہ کرنے کیلئے باضابطہ طور شروع کی تھیں۔ اِس کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر پر جو جنگ نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی تھی وہ ۱۹۶۲ء میں ہونی چاہیے تھی نہ کہ ۱۹۶۵ء میں جب بھارت چین سے عبرت ناک شکست کھانے کے بعد نئے سرے سے اپنی فوجیں منظّم کر چُکا تھا۔ پاکستان میں چین کے سفارت خانے کے اعلیٰ ذمہ دار کا صدر پاکستان مرحوم ایوب خان کو چین بھارت جنگ (۱۹۶۲ء) کی اطلاع دینے کا واقع نقل کر کے مرحوم قدرت اللہ شہاب جو بات کہنا چاہتے ہیں وہی بات شیخ عبداللہ نے اپنی سوانح حیات آتش چنار میں کہی ہے۔ 'پاکستان سے کشمیر کی گاڑی ۱۹۶۲ء میں چھوٹ گئی'۔ حالانکہ اِس کے لئے بھی امریکہ اور برطانیہ کے شاطر سیاست کار ہی ذمہ دار ہیں جنہوں نے وزیراعظم ہند پنڈت نہرو کے کہنے پر صدر پاکستان ایوب خان سے یہ یقین دہانی حاصل کی تھی کہ وہ چین بھارت جنگ کے دوران کشمیر پر بھارت کے ساتھ جنگ چھیڑنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ سرینگر سینٹرل جیل کے حجام کا ذاتی مشاہدہ: ۱۹۹۵ء میں احقر کو سینٹرل جیل کے حجام جو جیل میں ملازم ہونے سے پہلے بھارتی فوج میں حجام رہ چُکے تھے نے بتایا ۱۹۶۲ء میں پاکستان کے پاس سنہری موقع تھا

کشمیر کو بھارتی قبضے سے آزاد کرنے کا، احقر نے پوچھا کیسے: غلام رسول کا کہنا تھا کہ ۱۹۶۲ء میں جب چین اور بھارت کے درمیان جنگ شروع ہوئی میں اُس وقت بھارتی فوج میں حجام کے طور ملازم تھا جب جنگ شروع ہوئی ساری بھارتی فوج جنگ میں مصروف ہوگئی اِس لئے ہمیں (غیر فوجی: حجام، دھوبی، باورچی اور دیگر کاری گر و غیرہ) سرحد پر تعینات کیا گیا۔ اِسلئے اگر پاک فوج یہاں داخل ہوتی تو ہم کیا مزاحمت کرتے؟

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ دراصل بھارت کے توسع پسندانہ عزائم اور پاکستان دُشمنی کی بدترین مثال ہے۔ اِس جنگ کے لئے کلی طور شیخ مجیب الرحمان اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان اقتدار کی جنگ کو وجہ بتانا شاید درست نہیں ہے، سقوط ڈھاکہ کو تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء) کے برطانوی فیصلے جس سے بنگال کے غریب مسلمان کسانوں کو راحت ملی تھی کے خلاف کانگریس کی ملک گیر تحریک جس کی وجہ سے آخر انگریز حکومت نے تقسیم بنگال کا فیصلہ (۱۹۱۱ء) میں منسوخ کر دیا کلکتہ کے متعلق پاکستان کے مطالبے رائے شماری کے باوجود ماونٹ بیٹن کی طرف سے کلکتہ کو بھارت کا حصہ بنائے جانے، سرت چندر بوس اور فضل الحق کے ساتھ موہن داس گاندھی کی ملاقاتیں جن کا مقصد مشرقی بنگال کو آزاد اور خودمختار بنگال کی بنیاد پر پاکستان سے الگ رکھنا تھا قرارداد پاکستان میں state کے بجائے states لفظ کے استعمال جیسے اہم واقعات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کوئی زمینی رابطہ نہیں تھا اور ماونٹ بیٹن اور کانگریس قیادت نے قائداعظمؒ کے دونوں حصوں کر درمیان ۸۰۰ کلومیٹر کے corridoor کے مطالبے کو مسترد کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ رکھنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد دونوں حصوں کے درمیان قومی زبان (بنگلہ یا اُردو) کو

لے کر تنازع کھڑا کیا گیا جس نے دونوں حصوں کے درمیان مخاصمت کی بنیاد ڈالی، دوسری طرف مشرقی پاکستان میں ہندووں اور بنگلہ قوم پرست مسلمانوں کے ذریعے بھارتی حکمرانوں نے وہاں بنگلہ زبان اور بنگلہ قومیت کو زبردست فروغ دیا۔ دونوں حصوں کے ناعاقبت اندیش سیاست کاروں کے درمیاں جب اقتدار کیلئے رسہ کشی اپنی اِنتہا کو پہنچ گئی تو بھارتی حکمرانوں نے تمام بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور مسلمہ اخلاقی ضابطوں کی صریحی پامالی کرتے ہوئے پاکستان کے مشرقی حصے میں فوجی مداخلت کی، بھارتی حکمران دسمبر ۱۹۷۱ء تک مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کئی وجوہات کی بنا پر نہیں کرنا چاہتے تھے بالخصوص اِسلئے کہ وہ اپریل ۱۹۷۱ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک وہاں وسیع پیمانے پر شورش بھڑکانا چاہتے تھے۔ پھر میجر جنرل اوایس کالیکٹ (O.S.Kalkat) کی قیادت میں ایک تنظیم بنائی گئی جسکا مقصد بنگالیوں کو مسلح تربیت دینا، اِن کی تنظیم اور اِن کو ہتھیاروں سے آراستہ کرنا تھا۔ یہی تنظیم 'مکتی باہنی' نام سے جانی جاتی ہے اور اِس آپریشن کو آپریشن جیک پاٹ (Operation Jackpot) کا نام دیا گیا۔ بریگیڈر سنت سنگھ (Sant Singh) جن کا تعلق فریدکوٹ سے تھا کو سیکٹر کمانڈر مقرر کیا گیا اور اِنہی کے ذریعہ مسلح کارروائیاں مشرقی پاکستان میں شروع کی گئیں۔ اُنہوں نے پندرہ ہزار بنگالیوں کو مسلح تربیت دی مشرقی پاکستان میں ان کی خدمات پر بھارتی حکومت نے اُن کو اعلیٰ فوجی اعزاز' مہاویر چکر' سے نوازا۔ بھارتی سیاست کاروں، سراغرساں اور فوجی حکام اور بھارتی قلم کاروں نے پاکستان کو دولخت کرنے میں جس طرح کا رول ادا کیا اِس کی شہادت کے لئے یہی بات کافی ہے آج تک ۳۰۰ بھارتی سیاست کاروں، دانشوروں ،فوجی افسروں ،صحافیوں اور سماجی کارکنوں کو' بنگلہ دیش کی تحریک آزادی میں نمایاں رول ادا کرنے پر' بنگلہ دیش کی حکومت کی طرف سے اعلیٰ ترین بنگلہ ایواڑ سے نوازا جا

چُکا ہے۔ بھارت کی حکومت اعلانیہ طور پاکستان کے ایک حصے میں فوجی مداخلت کرتی ہے اور اِس پر فخر کرتی ہے، جموں کشمیر جو ایک متنازع خطہ ہے جس کو اصولی طور پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے، یہاں پاکستان فوجی مداخلت کیوں نہیں کرسکتی؟ بھارتی حکومت 'مکتی باہنی' قائم کرتی ہے پھر اُن کی حمایت کرتی ہے، اِن کو تربیت اور اسلحہ دیتی ہے اور یہ سب اعلانیہ طور کرتی ہے: پاکستان اگر مظلوم کشمیریوں کی معاونت کرتا ہے اِس پر کسی صحیح الدماغ منصف مزاج اِنسان کو کیا اعتراض ہونا چاہیے؟ بھارت کی مختلف ریاستوں سے بھارتی فوجیں لکھن پور سرحد عبور کر کے یہاں داخل ہوکر ہمارا قتل عام کرتی ہیں، ہماری عورتوں کی آبرو ریزی کرتی ہیں اور ہماری جائیدادوں کو تباہ و برباد کرتی ہیں اِس پر عالمی برادری کو کوئی اعتراض نہیں ہے اگر پاکستان کی ریاستوں سے مجاہدین مظلوم کشمیریوں کے مدد و معاونت اور اِن ظالم اور قابض بھارتی افواج سے اِن کو نجات دلانے کے لئے جنگ بندی لائن عبور کر کے یہاں آتے ہیں اِس پر عالمی برادری اور بھارتی حکمرانوں کو کیوں اعتراض ہے؟ جب بھارتی حکومت پاکستان کے ایک قانونی حصے میں فوجی مداخلت کرسکتی ہے، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی فوج اور وہاں کے عام مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جموں کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی تحریک مزاحمت میں شامل ہوجائیں۔ جموں کشمیر کے مسلمان بھارتی نیشن اِسٹیٹ کا حصہ نہیں اُمتِ مسلمہ کا جزو لاینفک ہیں۔ سقوط ڈھاکہ میں چاروں مسلمان اور پاکستان دُشمن ذہنوں نے حصہ لیا، اِندرا گاندھی (ہندو)، مانک شاہ (پارسی)، جیکب (یہودی) آرورہ (سکھ)۔ سقوط ڈھاکہ اگر یہی ہوتا کہ زمین کا ایک ٹکڑا جو پہلے ہی مغربی پاکستان سے الگ تھا الگ ہوگیا ہے تو یہ بات قابلِ برداشت ہوسکتی تھی مگر پاکستان کو دولخت کرنے سے بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کی فکری اور نظریاتی بنیادوں پر جو ضربِ شدید لگائی وہ روح فرسا اور کرب ناک ہے۔ بھارتی پارلیمان

میں جن سنگھ کے اُس وقت کے رہنما اٹل بہاری واجپائی نے اِس کامیاب سامراجی آپریشن پر اندرا گاندھی کو 'دُرگا' کا خطاب دیا جو اس بات کی شہادت ہے مسلمان اور پاکستان دُشمنی میں بھارت کی سب سے بڑی سیاسی جماعتیں کانگریس اور بھارتیا جنتا پارٹی ایک جیسی ہے۔اور کشمیر کے بارے میں بھی ان دونوں جماعتوں کے موقف میں کوئی فرق نہیں ہے۔سقوط ڈھاکہ سے اسلام اور پاکستان دُشمن طاقتوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ دوقومی نظریہ ایک دھوکہ اور سراب ہے اور یہ کہ پاکستان ایک مصنوعی ریاست ہے۔یہی بات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔حقیقت یہ ہے پاکستان بننے کے بعد بھی موہن داس گاندھی اور پنڈت نہرو یہی اُمید رکھتے تھے کہ پاکستان آج نہیں تو کل دوبارہ بھارت میں شامل ہوگا اس لئے بھارتی حکمرانوں نے کبھی بھی پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے جس طرح یہودی Greater Israel کا خواب دیکھتے ہیں ۔اِسی طرح بھارت کا برہمن ٹولہ بھی Greater India کا خواب دیکھ رہا ہے۔آج بھی بھارتی حکمران بلوچستان اور سندھ میں سرگرم پاکستان دُشمن دہشت گرد جماعتوں،مہاجر تنظیموں کے بعض قائدین اور تحریک طالمان پاکستان کے خوارجی اور باغی جُہلا کی حمایت و معاونت کر رہے ہیں۔

پی ڈی پی کا قیام:

۱۹۴۷ء میں صوبہ جموں میں مسلمانوں کی ۶۱ فیصد اکثریت تھی وہاں مسلمانوں کے قتل عام اور اُن کو ترکِ وطن پر مجبور کرنے کے بعد صرف دو سال کے اندر اندر مسلمان صرف ۳۸ فیصد رہ گئے اور یہ شرح تب سے مسلسل کم ہو رہی ہے۔ دراصل بھارتی حکمرانوں نے جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد ہی یہ بات طے کی تھی کہ جموں کشمیر کو پوری طرح بھارتی نیشن سٹیٹ اور بھارتی سوسائٹی میں شامل کرنے کے لئے ضروری ہے یہاں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے اِسلئے

اُنہوں نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن جموں کشمیر پر قابض ہونے کے ساتھ ہی اس منصوبے پر ہمہ وقت اور ہمہ جہت طور کام شروع کیا۔جموں اور لداخ میں کانگریس، بھاجپا اور آر ایس ایس کو مضبوط کیا گیا اور اِس طرح کشمیر کی علاقائی جماعت نیشنل کانفرنس کو سیکولر اور کشمیر میں بھارت کی نمائندگی کرنے والی اور ہمیشہ کشمیر میں عوامی جذبات کے بجائے بھارتی مفادات کو ترجیح دینے والی جماعت ہونے کے باوجود جموں میں سیاسی بنیاد فراہم نہیں کی گئی اور اس کو وادی کی طرف دھکیل کر اِس کے ریاستی کردار کو ختم کر کے علاقائی شناخت دی گئی تا کہ وہ اگر عوام کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اِس سے صرف وادی کی نمائندگی ثابت ہو سکتی ہے نہ کہ کل ریاست کی۔ جموں کشمیر میں نیشنل کانفرنس بھارت کی نظریاتی Constiuency ہے۔ یہ جماعت ۲۰۰۲ء تک تقریباً اجارہ داری کے ساتھ یہاں بھارت کی نمائندگی کرتی تھی ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۲ء تک بھارتی سیاسی جماعتیں کشمیر میں نیشنل کانفرنس کے لئے کوئی خاص چیلنج نہیں بن سکیں، مگر بتدریج کانگریس کشمیر اور جموں دونوں صوبوں میں اور بھاجپا جموں صوبے میں سیاسی بنیاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ شیخ عبداللہ کی وفات کے بعد نیشنل کانفرنس کی مقبولیت بتدریج عوام میں ختم ہو رہی تھی نیشنل کانفرنس کی کنبہ پرور سیاست اور عوام دُشمن پالسیوں نے بھی لوگوں کو متبادل سیاسی جماعتوں کی طرف مائل کر دیا مگر ۱۹۸۸ء میں شروع ہوئی مسلح مزاحمتی تحریک نے چونکہ تمام بھارتی سیاسی جماعتوں اور انتظامی اِداروں کو بے اثر بنا دیا، ایک بار پھر نیشنل کانفرنس نے ہی بھارتی حکمرانوں کو جنہوں نے جموں کشمیر کو فوجی چھاونی میں تبدیل کیا ہے۔ سیاسی ڈھال ۱۹۹۶ء میں فراہم کی۔ ۱۹۹۶ء سے کچھ بدخواہوں کی شعوری کاوشوں کی وجہ سے تو کچھ خیرخواہوں کہ غیر شعوری کوششوں کی وجہ سے جموں کشمیر کی مزاحمتی تحریک کو موثر اور نتیجہ خیز میدان (مسلح جدو جہد) سے بے نتیجہ پُر امن جمہوری ہنگامہ آرائی کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اب ظالم کی طرف سے سات لاکھ فوجیں ہیں

اور مظلوموں کی طرف سے 'امن کی دیوی' ہے۔ (اللہ حافظ)

چونکہ نیشنل کانفرنس علاقائی جماعت ہے اس کا سیاسی مستقبل وادی سے ہی وابستہ ہے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی اِس کو بعض اوقات علاقائی جذبات کا خیال رکھنا پڑھتا ہے اِس لئے کشمیر میں ۱۹۸۸ء میں شروع ہوئی مسلح مزاحمتی تحریک کی وجہ سے یہاں جو سیاسی فضا قائم ہوئی اِس میں ریلوینٹ رہنے کیلئے ۲۰۰۱ء میں نیشنل کانفرنس نے بھارت کی بھاجپا قیادت والی N D A سرکار کو اٹانومی رپورٹ بھیج دی جس کو اٹل بہاری واجپائی نے جس کے کچھ ثناخواں کشمیر میں بھی موجود ہیں بغیر دیکھے ردی ٹوکری میں پھینک دیا۔ دہلی میں اِس رپورٹ کو لے کر کافی سیاسی شوروشرابا ہوا۔ سیاسی حلقوں، سراغ رساں اِداروں اور ذرائع ابلاغ میں جموں کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی سیاسی اجارہ داری ختم کرنے کی باتیں ہونے لگیں نیشنل کانفرنس پر حریت پسندوں کیلئے کام کرنے کا الزام لگا نیشنل کانفرنس کی سیاسی شعبدہ بازیاں جو بعض اوقات دہلی کیلئے باعث خفت بنتی ہیں پر قدغن لگانے کا فیصلہ ہوا جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ کشمیر میں 'امن کی دیوی' نے بھارت نواز سیاسی جماعتوں کیلئے پہلے ہی زمین ہموار بنادی تھی، بلاشبہ مزاحمتی تحریک کی مقدس جہاد سے مروجہ سیاست کی طرف منتقلی ہماری تحریک آزادی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جموں کشمیر میں کانگریس اور بھاجپا کو مزید فعال اور متحرک بنانے کا فیصلہ ہوا، وادی میں علاقائی جذبات کے پیشِ نظر بھارتی سراغرساں اِداروں نے کشمیر کے کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں جس میں مظفر حسین بیگ اور غلام حسن میر سرفہرست ہیں کو مُفتی سعید جن کا شمار کشمیر کے چند ایسے سیاست کاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کی شروعات ہی بھارت نواز سیاست سے کی ہے، نہیں تو اکثر یہاں روایت یہ ہے کہ سیاسی زندگی کی شروعات حریت پسند کے طور کی جاتی ہے پھر یہ حریت پسندی جب ' آوارہ گردی' معلوم ہوتی ہے تو بھارت کی طرف

رکوع کی صورت میں رجوع کیا جاتا ہے، کی قیادت میں پہلے ہی جمع کر دیا تھا۔PDP (پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی) کی ہر طرح سے معاونت کی گئی، مقامی اخبارات کو PDP کو پروجیکٹ کرنے کی ہدایت دی گئی۔ بیروکریٹوں کو اِس میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی، PDP قیادت کو پاکستان اور حریت پسندوں کے متعلق نرم لب ولہجہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تا کہ'PDP نیشنل کانفرنس سے بہتر ہے'، پرلوگوں میں مباحثہ شروع ہوا اور عین اِس وقت جب نیشنل کانفرنس وادی میں اپنی سیاسی اور سماجی اعتباریت کھو چُکی تھی، بھارتی حکمرانوں نے کشمیر میں اپنے خاکوں میں رنگ بھرنے کے لئے دوسرا موثر اور فعال آپشن پیدا کیا۔ اِس بات پر ہم آگے چل کر بات کریں گے کہ کس طرح PDP کے قیام کے ساتھ ہے کشمیر میں بھارتی حکمرانوں نے اپنے تیسرے اور فیصلہ کُن منصوبے پر کام شروع کیا ہے۔ اِس طرح نیشنل کانفرنس جس کے خلاف عوام میں غیض وغضب پایا جاتا تھا جو پھر از خود بھارت کے ساتھ نفرت کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا اب اِس صورت حال میں جب لوگوں کے پاس ایک اور علاقائی جماعت دستیاب رکھی گئی نیشنل کانفرنس کو چھوڑ کر PDP کے ساتھ وابستہ ہو سکتے ہیں یعنی اِس طرح ہر صورت میں وہ بھارتی سیاسی نظام کے ساتھ جُڑے رہیں گے۔PDP 'اٹانومی' سے'بہتر نعرہ''سیلف رول''،سبز پرچم (افضل بیگ کی سبز رومال اور پاکستانی نمک والی روایت اگر دُرست ہے کی تقلید کرتے ہوئے)اور قلم دوات کے ذریعے سادہ لوح لوگوں کو خوب استحصال کر رہی ہے۔ پاکستان کا محبوبہ مُفتی کا دورہ کرنے سے PDP کا پاکستان کے ساتھ' کچھ نہ کچھ ہے' کی لوگوں میں پیدا ہوئی سوچ نے PDP کے لئے کشمیر میں بھارتی سامراجی خاکوں میں رنگ بھرنے کا کام آسان کر دیا۔PDP قائم کر کے بھارت سرکار نے کشمیر میں حسبِ ذیل اہداف حاصل کئے:

ا۔کشمیر میں نیشنل کانفرنس کی بھارت نواز سیاسی اجارہ داری ختم کر دی گئی ۔اِس کے سیاسی ناز ونخرے اب دہلی میں برداشت نہیں ہونگے کیونکہ یہ فیصلہ کشمیر میں نہیں دہلی میں ہوگا کہ ان دو جماعتوں میں کس کو کشمیر میں حکومت کرنی چاہیئے ،ظاہر ہے جب تک کسی آقا کا صرف ایک ہی غلام ہوتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی آقا کو غلام کے ناز ونخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں جب اِس کے دو غلام ہوں ، پھر دونوں غلاموں کو یہ احساس رہتا ہے کہ اُن کے ناز ونخرے برادشت نہیں کئے جائینگے اِس لئے دونوں غلام آقا کے سامنے ناصیہ سائی کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش میں رہتے ہیں ۔نیشنل کانفرنس اور PDP دونوں جماعتیں بھارتی حکمرانوں کی آلہ کار ہیں ۔کشمیر میں بھارتی سامراجی منصوبوں کی تکمیل ہی ان کا بُنیادی کام ہے اِس لئے اِن دونوں میں مقصد کے اعتبار سے فرق کرنا انتہائی قسم کی سفاہت ہے۔

۲۔کشمیر میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے دونوں جماعتوں میں ہمیشہ چونکہ رسہ کشی رہے گی اِسلئے دونوں جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ خدمات بھارتی حکومت کو پیش کرنے ہونگے ، کیونکہ اب یہ فیصلہ کشمیر میں نہیں دہلی میں ہوگا کہ اِن دو جماعتوں میں کس کو حکومت کرنی چاہیے۔ظاہر ہے دہلی کے حکمران اسی جماعت کو ترجیح دینگے جو کشمیر میں اُن کے خاکوں میں سرعت کے ساتھ رنگ بھرنے کے لئے آمادہ ہوگی۔

۳۔PDP کے قیام کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ اب جموں کشمیر میں حکومت ہمیشہ کانگریس یا بھاجپا کی شرکت کے ساتھ ہی بنے گی۔ PDP ہمیشہ صرف وادی کے ووٹ کو ہی تقسیم کرے گی یعنی وادی کے ووٹ ہمیشہ ان دو جماعتوں میں تقسیم ہونگے ۔نیشنل کانفرنس اور PDP دونوں کو سیکولر اور بھارت نواز ہونے کے باوجود بھی جموں کے ہندووں نے مسترد کر دیا ہے۔اِس لئے ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۲ء تک جموں کشمیر کی حکومت سازی میں کشمیریوں کے ووٹ کو جو فیصلہ کُن حیثیت

حاصل تھی اب وہ ختم ہوچکی ہے کیونکہ PDP جموں کے ہندووں کو بالکل متاثر نہیں کر سکی ہے۔اِس لئے اب جموں کے ہندووں کو یہاں کی حکومت سازی میں اہم حیثیت حاصل ہوگئی ہے یعنی اب کشمیری جموں اور دہلی کی دوہری غلامی کریں گے۔

چونکہ ناجائز قبضے کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت بھی ناجائز ہی ہوتی ہے اِس لئے حریت پسندوں کے لئے یہ بات بے معنی ہے کہ یہاں کی کون سی جماعت دہلی کی کس جماعت کے ساتھ اشتراک کر کے حکومت بناتی ہے۔البتہ چند اہم باتیں ہیں جنہیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔کانگریس اِنتہائی شاطر جماعت ہے۔اُس نے ۱۹۴۷ء میں اِنتہائی منصوبہ بند طریقے پر جموں کشمیر پر قبضہ کرلیا۔چونکہ 'دستاویزِ الحاق' میں صرف امورِ خارجہ، دفاع اور مواصلات کا تذکرہ تھا۔اِس لئے اِس کے خلاف خود تحریک نہیں چلائی بلکہ جموں کے ہندو ڈوگرہ جماعت پرجا پریشد کو اِستعمال کیا۔جب 'اٹانومی' کے خلاف فضا تیار ہوئی تاثر یہ دیا گیا دہلی سرکار نہیں خود ریاست کے لوگ 'اٹانومی' کا خاتمہ چاہتے ہیں پھر بتدریج جب 'اٹانومی' ختم ہوگئی اور اب دفعہ ۳۷۰ کا صرف خول باقی رہ گیا ہے اب اِس خول کے خلاف دوبارہ جموں کے ہندو ڈوگرہ بھاجپا کے پلیٹ فارم سے استعمال ہورہے ہیں اور تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ دفعہ ۳۷۰ کی وجہ سے ریاست کے لوگ بھارت کی مجموعی معاشی ترقی میں حصہ دار نہیں بن رہے ہیں۔بھارتی آئین میں دفعہ ۳۷۰ کی رو سے اگر جموں کشمیر کو 'خصوصی' درجہ حاصل ہے۔اِس آئین میں کئی دفعات 371, 371A, 371B, 371C, 371D,371F,371G,371H ہیں جن کی رو سے بھارتی ریاستوں، ہماچل پردیش، ناگالینڈ، سکم، میزورم، ارونا چل پردیش، وغیرہ کو خصوصی حیثیت حاصل ہے وہاں اِن دفعات کو ختم کرنے کی بات کیوں نہیں کی جاتی؟ جب کہ یہ سب ریاستیں بھارت کی قانونی ریاستیں ہیں اور جموں کشمیر بھارت کی ریاست نہیں ہے اور مجلس

اقوامِ متحدہ کی کئی قرار دادیں اِس پر گواہ ہیں اور باضابطہ ۱۹۴۷ء میں جموں کشمیر پر بھارتی قبضے کے ساتھ ہی یہاں اِس ناجائز قبضے کے خلاف جدو جہد شروع ہوئی ہے جو آج بھی جاری ہے۔ہم اِس مسلے پر آگے چل کو مزید گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کشمیراور جموں کے درمیان ۱۹۴۷ء کےفوراًبعد جو دوریاں پیدا ہونا شروع ہوئیں وہ اب مخاصمتوں میں تبدیل ہوگئی ہیں، ۱۹۴۷ء میں پرجا پریشد کی 'اٹانومی' مخالف ایجی ٹیشن، ۲۰۰۸ء میں جموں کیطرف سے کشمیریوں کی اقتصادی ناکہ بندی ،جموں میں ۳۷ اسمبلی نشستوں میں ۲۵ پر بھاجپا کی کامیابی یہ سب باتیں یہی واضح کر رہی ہیں کہ ریاست کے دوصوبے مختلف نہیں بلکہ متصادم صورت حال میں آگئے ہیں اور جموں کے ہندوڈوگرہ باضابطہ کشمیریوں کے خلاف بھارتی محاذ کے سپاہی بن گئے ہیں ۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس پر حریت پسندوں کو سوچنے کی ضرورت ہے اور اوّلین فرصت میں جموں کے مسلمانوں تک پہنچنے کی ضرورت ہے کیونکہ دوصوبوں کے درمیان اِس مخاصمانہ صورت حال سے ریاست جموں کشمیر کی وحدت متاثر ہوسکتی ہے۔دوسری اہم بات سمجھنے کی یہ ہے چونکہ اب جموں کشمیر کی حکومت میں لازماً کانگریس یا بھاجپا شریک ہوگی اور فیصلہ سازی میں یہی جماعتیں بااِختیار ہونگی اِس سے ہوگا یہ کہ نیشنل کانفرنس آج تک کشمیر میں بھارتی خاکوں میں بتدریج رنگ بھرتی تھی اب بھارتی سامراجی منصوبوں کی تکمیل بے حد سرعت کے ساتھ ہوگی اور بھارتی سیاسی جماعتیں یہاں کی مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کے لئے ہمہ جہت طور تمام ممکنہ اور دستیاب ذریعے کو استعمال کریں گی کیونکہ پاکستان کی داخلی صورت حال اور کشمیر کی منتشر حریت پسند قیادت نے اِن کا کام آسان بنادیا ہے۔

کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کے متعلق بھارتی منصوبوں کی نشاندہی:

۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۴ء تک جموں کے تقریباً پانچ لاکھ لڑکے اور لڑکیوں نے مختلف بھارتی ریاستوں میں شادی کی ہے۔ چونکہ جموں اور پنجاب کے درمیان ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی سماجی تعلقات رہے ہیں۔ جموں میں ہندووں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو نسلاً پنجابی ہیں وہ چونکہ ۱۹۲۷ء سے پہلے جموں میں آباد ہو چکے تھے ۔ اِس لئے ریاست کے ہی شہری قرار پائے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جموں اور بھارت کی کئی ریاستوں کے درمیان جب اِس طرح کے تعلقات قائم ہوئے اِس سے لاکھوں بھارتی شہریوں کو جموں کشمیر میں رہائش اِختیار کرنے کا موقع مل گیا پھر فرضی سٹیٹ سبجیکٹ سٹرٹیفکیٹ حاصل کر کے وہ ریاستی شہری بن گئے ہیں۔ جموں میں غیر ریاستی شہریوں کو جعلی SSC فراہم کرنے کے سکینڈل کئی بار منظرِ عام پر آچکے ہیں مگر ہر بار حکمران اِس حساس معاملے کو دباتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی مسلسل بھارتی شہریوں کو جموں کشمیر میں بسایا جاتا ہے اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس صورت حال کی تصدیق لبھا رام گاندھی جو خود سیالکوٹ پاکستان سے ہجرت کر کے جموں کے وجے پور میں رہائش پذیر ہیں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"Sangh parivar has settled wrong people in the state with the aim of making demographic changes in the garb of fighting for our cause," "Rashtriya

Swayamsevak Sangh does settle people here, they brought Hindu Punjabis and wrong people here. Outsiders change the demography of the state. It is the government policy,".“But why should we be held responsible for their deeds. We can seek the ouster of outsiders only after we are given state subjects.”Most of the people settled at the behest of the RSS—Biharis, Punjabis, Bangladeshis and Myanmarese—have fraudulently managed to secure State Subject Certificates and settled in newly-built residential clusters such as Nanak Nagar, Bhagwati Nagar, Gorakh Nagar, Gandhi said.“Political parties need voters, so they settle these people here,”.“Look, Jammu was a small city. Beyond Tawi river there

was no residential settlement. But in the aftermath of the Operation Bluestar in Punjab, Hindus were allowed to settle here and granted citizenship rights as well,.Outsiders buy their way into the state subject status."Jain Bazar jewellers are outsiders but managed to get state subject certificates,

(Kashmir Reader : Sunday 01-02-2015)

اِس سارے معاملے، شادی بیاہ کے ذریعے یہاں آباد ہونے پر ایک طرح کی قدغن لگ سکتی تھی کہ ریاست کی لڑکی اگر کسی غیر ریاستی باشندے سے شادی کرتی ہے تو وہ حقوقِ شہریت اور حقوقِ ملکیت جائیداد موروثی اور ذاتی سے محروم ہو جاتی مگر چند سال قبل ریاستی اسمبلی نے ریاستی لڑکیوں کے وہ اگر غیر ریاتی باشندوں سے شادی کرتی ہیں حقوقِ شہریت اور ملکیتِ جائیداد مورثی و ذاتی محفوظ قرار دیے، اس طرح جموں کو پوری طرح سے ہندو اکثریت والے صوبے میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے ہی کچھ لوگ آئے دِن جموں میں آر ایس ایس اور شیو سینا کی حمایت سے مظاہرہ کر رہے ہیں، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آزاد کشمیر سے آئے مہاجرین ہیں۔ سوال یہ ہے اگر وہ ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر سے یہاں آئے ہیں تب سے آج تک وہ کہاں رہایش پذیر تھے؟ وہ اگر ۱۹۶۵ء یا ۱۹۷۱ء میں آزاد کشمیر سے یہاں آئے ہیں، پہلے یہ بات واضح ہو جائے کہ ۱۹۶۵ء یا ۱۹۷۱ء میں کب اور کتنے ہندو یا سکھ وہاں

سے یہاں ہجرت کر کے آئے ہیں؟ جموں کے ڈاکٹر ایس پی وید (S.P.Vaid) نے اپنی کتاب How partition rocked Jammu and Kashmir میں آزاد کشمیر سے یہاں آئے ہوئے مہاجرین کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر سے آئے ہوئے مہاجرین کیلئے باضابطہ Joint Rehabilitation Board تشکیل دیا گیا جس کی نگرانی خود وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کر رہے تھے۔ مذکورہ بورڈ نے ۲۲ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے اور ساٹھ لاکھ پندرہ ہزار پانچ سو پینتالیس (۷،۱۵،۵۴۵) کنال زمین اِن مہاجرین میں تقسیم کی ۷ فروری ۱۹۹۴ء کو ایڈیشنل سیکرٹری گورنمیٹ (ریونیو) کی صدارت میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں Rahabilitation Department اور صوبائی Rehabilitation آفیسروں نے شرکت کی جس میں موخرالذکر آفیسر نے یہ اطلاع فراہم کی کہ اپریل ۱۹۸۱ء میں (ظاہر ہے اِس میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں اگر آزاد کشمیر سے کچھ مہاجرین آئے بھی ہوں از خود آجاتے ہیں) تقریباً ۵۰۰ گھرانے تھے جن کی Rehabilitation ہونی باقی تھی۔ تحقیق کے بعد اِن ۵۰۰ گھرانوں میں صرف ۱۱۶ گھرانوں کے درخواست ہی صحیح قرار پائے۔ اِن کو پٹولی اور جموں میں پلاٹ فراہم کئے گئے۔ (کتاب مذکورہ۔ ص۔ ۸۷) اب یہ کون پانچ لاکھ مہاجرین ہیں جن کو ریاست جموں و کشمیر کا مستقل باشندہ ہونے کی سند اور اسمبلی میں ووٹ ڈالنے کا حق اسمبلی کے دونوں ایوانوں میں اِن کے لئے نشستیں مخصوص کرنے اور یہاں کے تعلیمی اور تربیتی اِداروں میں اِن کو رعایت کے ساتھ داخلہ دینے کا بھارت کی پارلیمانی کمیٹی نے احکامات جاری کئے ہیں؟ اور ساتھ ہی جموں کشمیر کے آئین میں اِس حوالے سے ترمیم کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اِس سے بھی بڑھ کر خطرناک معاملہ یہ کہ بھارتی ریاستوں میں رہایش پذیر 'مہاجرین' خواہ وہ آزاد کشمیر سے آئے ہوں یا مغربی

پاکستان سے اُن کو بھی ریاست جموں کشمیر کا مستقل باشندہ بنایا جارہا ہے۔ اِس ضمن میں بھارتی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ نے جنوری ۲۰۱۵ء کے پہلے ہفتے میں احکامات جاری کئے ہیں۔ یہ اِس بات کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ ۱۹۴۷ء میں آر ایس ایس کے کشمیر انچارج پروفیسر بلراج مدھوک نے جو بات کہی تھی کہ جموں کشمیر میں ایک کروڑ بھارتی باشندوں کو آباد کرنے کی پوری گنجائش ہے اِس پر ۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۴ء تک اگر خفیہ اور بتدریج عمل ہورہا تھا مگر اب اعلانیہ طور بھارت میں رہائش پذیر پاکستان سے آئے ہندو مہاجرین کے ساتھ ساتھ دیگر ہندو بھارتی شہریوں کو بھی جموں کشمیر میں بسایا جارہا ہے، یعنی جموں کشمیر میں اندلس اور فلسطین جہاں مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا ہے کہ تاریخ دہرائی جارہی ہے۔ پانچ لاکھ سے بیس لاکھ تک 'ہندو مہاجرین' کو جموں کشمیر میں بسا کر بھاجپا دو مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ ریاست کی مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی یہ ایک بہت بڑی موثر کوشش ہوگی دوم وہ اِس طرح اپنی سیاسی پوزیشن جموں کشمیر میں مستحکم کرنا چاہتی ہے۔ جب یہ ۲۰ لاکھ کے قریب ہندو جموں کشمیر کے مستقل باشندے بن جائیں گے۔ چونکہ ۲۰۲۰ء میں جموں کشمیر میں آبادی کے تناسب کے مطابق نئی حد بندی ہونے والی ہے۔ اِس سے موجودہ قانون ساز اسمبلی کی کل ۱۱۱ نشستوں ۲۴ آزاد کشمیر کے لئے خاص کر دی گئی ہیں کی ۸۷ نشستوں میں کشمیر صوبہ کو ۴۶ اور جموں کو ۳۷ نشستیں حاصل ہیں، یہ ۹ نشستوں کا تفاوت نہ صرف ختم ہوگا بلکہ یقینی بات ہے جموں کو کشمیر سے زیادہ نشستیں حاصل ہونگی اور یہ ساری اضافی نشستیں بھی بھاجپا کو ہی حاصل ہونگی کیونکہ جموں کے ہندو ڈوگرہ بھاجپا کے ذریعہ ریاست پر ڈوگرہ حکمرانی کی احیاء چاہتے ہیں۔ وہ چونکہ ریاست کی ڈوگرہ حکمرانی کے خاتمے کے لئے وادی کے مسلمانوں کو ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اِس لئے وہ بھاجپا کے ذریعے ریاست کا اقتدار حاصل کر کے وادی

کے مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم نے ہم کو ۱۹۴۷ء میں کشمیر چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔اب دیکھ لو ہم دوبارہ حکمران بن کر واپس آ گئے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھاجپا حکومت یہ بھی اعلان کر چکی ہے کہ آزاد کشمیر کے لئے اسمبلی کی ۲۴ نشستوں میں اِن 'مہاجرین' کیلئے کچھ نشستیں مخصوص کر دی جائیں گی۔ اِس میں شاید پاکستان کی حکومت کیلئے یہ پیغام ہو گا کہ بھاجپا 'جنگ بندی لائن' کو بین الاقوامی سرحد بنانے کے علاوہ کشمیر کے متعلق کسی اور تبدیلی کے لئے تیار نہیں ہے۔

جموں کشمیر میں بھارت کی مختلف یونیورسٹیاں اور کالج بڑے پیمانے پر کشمیری طلبہ و طالبات کو داخلہ دے رہے ہیں۔ ۲۰۱۰ء میں باضابطہ طور بھارتی حکومت نے کشمیر میں 'اُڑان' اور 'حمایت' نامی اِسکیمیں شروع کیں جس کے تحت ہر سال یہاں کے طلبہ و طالبات کو بی ڈی ایس ، بی ٹیک اور جرنل کورسز کیلئے منتخب کیا جاتا ہے۔ بھارت کی تمام بڑی یونیورسٹیاں ،کالج اور اسکول یہاں داخلہ مراکز اور اپنی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔سوال یہ ہے یہ 'مہربانیاں' صرف کشمیری طلبہ و طالبات کے لئے ہی کیوں؟ بھارت میں کروڑوں مسلمان طلبہ و طالبات کی تعلیمی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہے: بھارتی قومی سطح پر خواندگی ۶۶ فیصد ہے، جب کہ مسلمانوں کی خواندگی صرف ۴۳ فیصد ہے۔ خواتین کی شرح 40.54 فیصد ہے مگر مسلم خواتین کی شرح 21.16 فیصد ہے۔مردوں کے قومی سطح 63 فیصد جب کہ مسلم مردوں کی خواندگی 41 فیصد ہے۔غریبی کی وجہ سے 25 فیصد مسلم بچے (۶ سے ۱۴ سال تک)اِسکول جانے سے محروم ہیں۔کالجوں میں ۵۲ میں سے ایک مسلمان گریجویٹ اور ۵۰ میں سے ایک پوسٹ گریجویٹ نکلتا ہے۔ یہ 'مہربانیاں' نہیں سامراجی منصوبے ہیں۔ جب اِن طلبہ و طالبات جو اب مختلف بھارتی ریاستوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں کی بھارت کے مشرکانہ اور حیا نا آشنا ماحول میں پرورش ہو گی اِسے اِمکان قوی ہے نہ صرف اِن

کے عقائد تباہ و برباد ہونگے بلکہ اِن کے اندر اِسلامی غیرت وحمیت بھی کمزور ہو جائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کا زندگی کے متعلق اُخروی نقطہ نگاہ مادی نقطہ نگاہ میں تبدیل ہوگا۔ ایک مسلمان کی زندگی عبادت سے عبارت ہے مگر جب اُس کی پرورش اور تربیت مشرک اور آخرت فراموش ماحول میں ہوگی تو بالکل ممکن ہے اُس کا مبلغ علم اور مقصدِ زندگی دُنیا و مافیہا ٹھہرے گا۔ وہ Careerist بن جائے گا پھر ان طلبہ و طالبات میں دینی اور ملی ذمہ داریوں کا احساس باقی رہے گا بے حد مشکل ہے ۔ظاہر ہے جب ایک انسان کے زندگی کا مقصد مادی ترقی اور خوشحالی ہی بن جائے ۔ پھر اِس میں آزادی کی نعمت اور غلامی کی ذلت میں فرق کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ غلام بھی بنگلہ تعمیر کرتے ہیں، سواری کے لئے قیمتی گاڑیوں کا اِستعمال کرتے ہیں لذیذ پکوان اور مشروبات سے محظوظ ہوتے ہیں، اعلیٰ اور معیاری ملبوسات کا اِستعمال کرتے ہیں آج کل تو اغیار نے غلامی پر آمادہ لوگوں کیلئے سرخ بتی والی گاڑیاں اور متحرک کرسیاں بھی میسر رکھی ہیں۔ 'جناب' اغیار کی اِس کرم فرمائی پر مرے جاتے ہیں۔ اِس لئے ہمیشہ ناصیہ فرسائی کیلئے تیار رہتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی 'غلامی کے فائدے' سمجھاتے ہیں۔ 'باغیوں' کو قتل کر کے یا جیل بھیج کر آقاؤں سے طرح طرح کے اعزازات، انعامات اور مراعات حاصل کرتے ہیں۔

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ اِن چیزوں کو بھولے رہے، جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کُشادہ کر دیے۔ یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر جو کہ اُن کو ملی تھیں، وہ خواب اترا گئے۔ (متحرک کُرسی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس محافظ، سرخ بتی والی گاڑی، تین چار منزلہ کوٹھی، حاضر باش خدام) ہم نے اُن کو دفعتاً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہوگئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ (الانعام۔۴۵۔۴۴)

ترجمہ: جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے پھرتے ہیں، کیا اُن کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ (النساء۔۱۳۹)

غلامی میں روح پژمردہ ہو جاتی ہے اور دین کے ساتھ تعلق منافقت کے ساتھ ہی باقی رہ سکتا ہے (مثلاً عبادت اللہ کی اطاعت بھارت بہادر کی، مسجد میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار، دفتر میں بھارتی آئین کی حاکمیت کی اتباع) غیرت دینی اور احساس ملی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ''state's interest is supreme'' نیشن سٹیٹ کا بنیادی کلمہ ہے۔ عزت نفس اور خودداری رُخصت ہو جاتی ہے کیونکہ نیشن سٹیٹ کی اطاعت غیر مشروط اور لازمی ہوتی ہے۔ جان و مال اور عزت و آبرو بے وقعت بن جاتی ہے۔ غلامی پر حیوانات اور نباتات بھی آمادہ نہیں ہوتے اِس لئے جانور ہمیشہ پنجروں سے بھاگنے اور بیج زمین کی قید سے باہر نکلنے کی سعی میں رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے فطرت اِنسانی سے بےخبر 'اِنسان' ہی اغیار کی غلامی پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ المختصر غلامی میں سب کچھ میسر رہتا ہے مگر دین وایمان کی قیمت پر، ضمیر اور غیرت کی نیلامی کے عوض اور ذہنی اور قلبی سکون سے محرومی کے عوض۔ اِس طرح کشمیری مسلمان طلبہ و طالبات رنگ اور نام میں مسلمان اور ملتِ اسلامیہ کشمیر کا حصہ رہیں گے، افکار اور نظریات میں وہ مادہ پرست بن جائیں گے۔ بھارت کی سیاسی اور فوجی طاقت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور فرضی معاشی ترقی (دُنیا کے غریب ترین لوگوں کی ایک تہائی آبادی بھارت میں رہتی ہے بھارت میں 32.9 فیصد لوگ خطہ افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں اور ہر سال تقریباً ۱۴ لاکھ بچے پانچ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔)

(Millenium Development Report released by UNO)

وہ اِس قدر مرعوب ہوں گے کہ بھارت سے آزادی حاصل کرنے کی بات کرنا اُن کو دیوانگی اور حماقت معلوم ہوگی، پھر بھارتی کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ملحدانہ اور مشرکانہ فضا اور Girl Friend اور Boy Friend کلچر، مخلوط کلاس اور ہوسٹل، ہندووں دہشت پسند تنظیموں نے اپنی طلبہ انجمنوں کو پہلے ہی یہ ہدایت دہی ہے کہ وہ مسلمان طالبات سے تعلق قائم کریں تا کہ شادی کے بعد مسلمان لڑکیوں کا شدی کرن کیا جائے (نہ بھی کیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے) اور اگر کسی مسلمان لڑکے نے ہندو لڑکی سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی پھر اس لڑکے کی صرف لاش ہی گھر پہنچے گی۔ اسطرح اِن طلبہ و طالبات کے حوالے سے ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ بین المذاہب شادیوں کا ایک کلچر بن گیا ہے جو ظاہر ہے مسلمانوں کے لئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے، مشرک مرد یا عورت کے ساتھ مسلمان عورت یا مرد کا نکاح حرام ہے۔ (البقرہ۔۲۲۱) اب اکثر یہ ہوتا ہے کہ اِن طلبہ و طالبات نے چار یا پانچ سال ان کالجوں یا یونیورسٹیوں میں گزارے ہوتے ہیں۔ وہاں ہی اُنھوں نے اپنے لئے لڑکیوں اور لڑکوں کا اِنتخاب کیا ہوتا ہے اور اِس طرح اِن بین المذاہب شادیوں سے ایک cross-breed نسل تیار ہوگی۔ کئی ہندو دانشور مسلمانوں کو 'ہندتو' میں رنگنے کے لئے بین المذاہب شادیوں کو اِنتہائی موثر اور کارگر نسخہ قرار دیتے ہیں۔ وہ سنگھ پریوار کی طرح اِس بات کی مخالفت نہیں کرتے کہ ہندو لڑکی مسلمان لڑکے کے ساتھ شادی کرے کیونکہ وہ کہتے ہیں اِس طرح ایک مسلمان کے گھر میں ہندو عورت کی وساطت سے بھگوان کی مورتی تو داخل ہوگئی۔ مسلمان کے گھر میں مورتی کی پوجا تو ہوگی اور جو بچے اِن کے ہاں پیدا ہونگے وہ نصف ہندو ہی تو ہونگے! پھر تعلیم حاصل کر کے جموں کشمیر میں اِن کے لئے چونکہ Job Opportunities نہیں ہیں۔ اِسلئے ظاہر ہے حصول معاش کیلئے اِن کو بھارت کے private sector کا

رُخ کرنا پڑے گا اور اِس طرح اِن کی معاشی زندگی عملاً پوری زندگی بھارت کے ساتھ وابستہ ہوگی، اِس ضمن میں وزیرِاعظم ہند نے تمام بڑی کمپنیوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ جموں کشمیر کے تعلیم یافتہ بے روزگار لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے نوکریوں کے خصوصی پیکیج رکھیں۔ اِنہی ہدایت کی بنیاد پر اکثر بھارت کی بڑی کمپنیاں اپنے ذمہ داروں کو جموں کشمیر بھیجتی ہیں اور وہ یہاں ہوٹلوں میں اِن تعلیم یافتہ بے روزگار لڑکوں اور لڑکیوں کا اِنٹرویو کر کے آن سپارٹ اِن کی بھرتی کرتے ہے۔ اکثر اِن کمپنیوں کی نوکریوں کے لئے خوبصورت کشمیری لڑکیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اِنا اللہ وانا الیہ راجعون...

پچھلے کئی سالوں سے جموں کشمیر میں polycystic ovarian syndrome کی تکلیف لڑکیوں میں کافی بڑھ گئی ہے۔ بعض ڈاکٹروں کا کہنا ہے جموں کشمیر میں پانچ یا سات فیصد لڑکیاں اس مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ مرض تا حال لاعلاج ہے۔ اِسلئے ڈاکٹر اِس طرح کے مرض میں مبتلا لڑکیوں کو یہی مشورہ دیتے ہے کہ وہ ۲۳ یا ۲۴ سال کی عمر سے پہلے پہلے ہی نکاح کریں۔ بقولِ ان کے اس عمر تک اِسطرح کی مریضہ لڑکیوں میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رہتی ہے پھر بڑھتی عمر کے ساتھ اِن میں یہ صلاحیت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ اِس مرض کے کیا طبی اسباب ہیں وہ ایک طرف احقر کو وادی کے ایک معروف ڈاکٹر نے بتایا کہ پچھلے پچیس سالوں سے جس تیزی کے ساتھ اِس طرح کی مریضاؤں میں اِضافہ ہوا ہے اِس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری کے بڑھنے میں کچھ اور اسباب کا بھی دخل ہے پھر اُن کا کہنا تھا کہ Junk food اور fast food وغیرہ جو یہاں مختلف بھارتی ریاستوں سے درآمد ہوتا ہے اِس بیماری کا بڑا سبب ہوسکتا ہے اور اِسکے علاوہ چونکہ بھارتی دہشت پسند افواج کی موجودگی سے بھی یہاں زندگی پرُتناؤ بن گئی ہے خوف و دہشت کا ماحول بنا ہے یہ بھی اِس بیماری کا اہم سبب ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف جوانوں میں بھی

sperm countاور motilityمتاثر ہورہی ہے اور اِس کیلئے بھی کچھ ایسے ہی اسباب ہیں جو پچھلے ۲۵ سالوں میں یہاں پیدا ہوئے ہیں یا بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔اِس صورتِ حال کی وجہ سے جموں کشمیر میں افزائش نسل بُری طرح متاثر ہوئی ہے،تاخیر سے لڑکیوں کا نکاح کرنے کے غیر اسلامی رواج سے پہلے ہی افزائش نسل متاثر ہو چکی ہے۔اب جب نوجوان نسل اِس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئی ہے تو صورتِ حال تشویش ناک بن گئی ہے۔جموں کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی کی افزائش 'پہلا ابھی نہیں دوسرا کبھی نہیں' پھر دو یا تین بچوں کے بعد نس بندی کرانے کی بدعت،دوسری شادی کو معیوب سمجھنے کی ہندو ذہنیت کی وجہ سے بھی متاثر ہورہی ہے۔اِسلام نے نس بندی کو بغیر شرعی عذر حرام قرار دیا ہے اور تاخیر سے نکاح کرنا یا دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتے ہوئے بھی نکاح نہ کرنا معاشرے میں کئی طرح کی بُرائیوں کو جنم دیتا ہے۔اب جہاں مسلمانوں کا ملک قبضہ اغیار میں ہو اور اغیار اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی ساری تدبیریں کر رہا ہو۔نس بندی کا رواج ،تاخیر سے نکاح کرنے کی جہالت اور دوسرے یا تیسرے نکاح کو معیوب سمجھنے کی ذہنیت تباہ کُن ثابت ہوسکتی ہے۔ایک طرف بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ 'ہم پانچ ہمارے پچیس' گوارا نہیں کریں گے اِس کے دوسرے ممبر لوک سبھا ساکشی مہاراج ہندو عورتوں کو چار چار بچے پیدا کرنے کے لئے کہتے مگر جن مسلمانوں کا جموں کشمیر میں صفایا کیا جا رہا ہے وہ نس بندی اور چھوٹا کنبہ خوشحال کنبہ کے بھارتی پر پگنڈا سے متاثر ہو کر خود ہی اپنی تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔آپ غور کیجئے اگر ہمارے آباواجداد نے بھی 'ہم دو ہمارے دو' نعرے پر عمل کیا ہوتا یعنی اگر ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۷ء تک یہی رواج جموں کشمیر میں ہوتا تو کیا ہم رائے شماری کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہماری آبادی تو یقیناً اقلیت میں یہاں ہوتی۔ہم اگر رائے

شماری کا مطالبہ کرتے ہیں وہ یہ جان کر کرتے ہیں کہ جموں کشمیر میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور وہ بھارت کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال نہیں کریں گے۔ اِسطرح ہمیں بھارتی قبضے سے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ صاف ظاہر ہے ہمارا مطالبہ رائے شماری ہمیں بھارتی قبضے سے اُسی وقت آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے جب ہم یہاں اکثریت میں ہوں۔ اِسلئے جموں کشمیر میں مسلمانوں کی افزائش نسل کا مسئلہ اِنتہائی اہم ہے ہمیں ایسے تمام جائز تدابیر اختیار کرنے ہونگے جس سے مسلمانوں کی افزائش نسل میں مسلسل اور خاطر خواہ اِضافہ ہو تاکہ جموں کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی تمام مرئی اور غیر مرئی بھارتی کوششیں ناکام ہوں۔ جو چیز بھارتی وزیر اعظم کو ہماری گوارا نہیں 'ہم پانچ ہمارے پچیس'۔ اِسی پر مسلمانوں کا عمل ہونا چاہیے:

ترجمہ: زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (ھود۔٦)

تم دیکھتے نہیں ابھی بچے نے اِس کائنات میں آنکھ کھولی نہیں ہوتی ،اِس کی ماں کی چھاتیوں میں اللہ تعالیٰ اِس کے لئے رزق پیدا کرتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کذاب مالتھس (malthus) پر نہیں رب العالمین پر توکل اور بھروسہ کریں۔ بھارتی حکمران اِنہی تمام منصوبوں پر کام کر رہے ہیں جن منصوبوں پر عمل کر کے عیسائیوں نے مسلمانوں کا صفایا اندلس میں اور یہودیوں نے فلسطین میں کیا ہے۔ جموں کشمیر میں سات سو سے زیادہ غیر سرکاری تنظیمیں (NGO'S) کام کر رہی ہیں۔ جن کی مالی معاونت بھارت سرکار کی وزارت داخلہ کر رہی ہے، اِن NGO,s کا اہم کام کشمیر میں کلچرل (ثقافتی پروگرام) اِسپورٹس اور موسیقی کے پروگراموں میں زیادہ سے زیادہ لڑکوں اور لڑکیوں کو شریک کرنا ہے۔ اِس طرح یہاں لہو ولعب اور بے حیائی

کی ایسی فضا پیدا کی جائے جہاں کھیل کود ہی زندگی کا نصب العین قرار پائے اور بُرائی اور گُناہ کوئی معیوب چیز نہ رہے اور رُوحانی اور اخلاقی قدریں بے معنی ہو کر رہ جائیں۔ اِسطرح کی سرگرمیوں کیلئے بقولِ بھارت کے سابق فوجی سربراہ وی کے سنگھ فوج بھی رقومات فراہم کرتی ہے۔ اِن ساری سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ یہاں جوانوں میں جذبہ دینی کے ساتھ ساتھ جذبہ حریت بھی ختم ہو جائے۔ بھارتی فوجی کیمپ یہاں فحاشی اور منشیات کے کاروبار کے مرکز بن گئے ہیں۔ اِن کیمپوں میں کس طرح کشمیری لڑکیوں کا جنسی اِستحصال کیا جاتا ہے۔ اِس کا ثبوت بھارتی BSF کے ڈی آئی جی کے بیان اقبالِ جُرم سے ملتا ہے جو ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آئے جنسی اِسکینڈل کے کلیدی ملزم کی حیثیت سے گرفتار ہوا تھا۔شروع شروع میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ڈرگس مفت دی جاتی ہیں۔ پھر جب وہ اِس کے عادی ہو جاتے ہیں پھر اُن سے ڈرگس کے عوض نہ صرف قبیح کام اور کئی طرح کے جرائم کرائے جاتے ہیں بلکہ لڑکیوں کے ساتھ ساتھ لڑکوں کا بھی جنسی اِستحصال کیا جاتا ہے یہاں اکثر بھارتی فوجی افسروں نے اپنا اپنا گروہ بنایا ہے جو مختلف جرائم کر کے اِن افسروں کیلئے کمائی کرتے ہیں اور اِس گروہ کے ہر لڑکے اور لڑکی کے پاس افسر کی طرف سے اِشو کیا ہوا شناختی کارڈ ہوتا ہے اور یہی گروہ اکثر حریت پسندوں اور مجاہدین کی بھارتی فوج اور پولیس کیلئے مخبری بھی کرتے ہیں۔ اِسطرح کے کئی اور اِنکشاف مذکورہ ڈی آئی جی نے اپنے اِقبالیہ بیان میں کئے ہیں۔

جموں کشمیر میں کانگریس اور بھاجپا نے طلبہ اور طالبات میں موثر طریقے پر کام شروع کیا ہے۔ National Students Union of India جو کانگریس کی طلبہ شاخ ہے میں دسمبر ۲۰۱۴ء تک ۶۰۰۰ لڑکیاں اور لڑکے ممبر بن چکے ہیں۔ اِس کیلئے بھرتی مراکز کشمیر یونیورستی اور دیگر کئی کالجوں میں قائم کئے گئے ہیں

۔اِن طلبہ و طالبات کو کئی طرح کے مراعات دیے جاتے ہیں۔اِس کے علاوہ راہل گاندھی فینز ایسوسیشن، کانگریس سیوادل، بھاجپایووامورچہ اور دیگر کئی بھارتی سماجی انجمنوں کے ساتھ بڑی تعداد میں جوان وابستہ ہورہے ہیں۔ہر ضلع میں بھارتی آرمی اور بھارتی نیوی کیلئے آن سپاٹ بھرتی جوانوں کی ہوتی ہے۔بھارتی فوج میں بھرتی ہونے پر اِن کشمیری جوانوں کو ایسی بھارتی ریاستوں میں ڈیوٹی پر لگایا جاتا ہے جہاں نکسلی اور ماؤعسکریت پسندوں کا زور ہے تاکہ وہ وہاں 'ملک' کے لئے کام آئیں۔ ہزاروں سابق عسکریت پسندوں کو پولیس میں SPO,S کے طور بھرتی کیا جاتا ہے پھر اِنہی SPO,S کو مجاہدین کے خلاف کاروائیوں میں استعمال کیا جاتا ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں طرف کی گولیوں سے کشمیری ہی مریں۔بیوائیں ہوں تو کشمیری خواتین اور یتیم ہوں تو کشمیری بچے غرض اِن صدمات سے اگر دو چار ہوں تو صرف جموں کشمیر کے مسلمان ہوں۔ یہاں کئی اضلاع میں آرمی نے اسکول قائم کئے ہیں۔ بھارتی کیندر رودیالے، ڈی اے وی، ڈی پی ایس سکول اور تربیتی مراکز قائم کئے گئے ہیں جہاں صبح بچوں کو بھارتی ترانہ پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے پھر بھارتی پرچم کو سلامی دینے کے لئے کہا جاتا ہے۔اِنہی اور بعض دیگر اِسکولی بچوں کو ۲۶ جنوری اور ۱۵ اگست کے دن پریڈ اور رقص کے لئے مختلف تقریبوں میں بھیجا جاتا ہے۔بچوں کے اِس سیاسی اِستحصال کے لئے تمام ضلعی انتظامیہ اور محکمہ تعلیم کو اِستعمال کیا جاتا ہے۔اِن تمام سرگرمیوں کا مقصد کشمیری بچوں اور جوانوں میں جذبہ حریت اور ورثہ میں اُن کو ملی بھارت کے ساتھ نفرت کو ختم کرنا ہے اور اُن کو 'امن، ترقی اور خوشحالی' کے نام پر بھارت کی غلامی پر آمادہ کرنا ہے۔

لسانی جارحیت:

1947ء سے ہی کشمیر میں اردو کے خلاف بھارت سرکار نے غیر محسوس

انداز میں کام کرنا شروع کر دیا تھا اور اب اس کے نتائج سامنے آ رہے ہیں، کشمیر کی نئی نسل اردو نہیں ہندی پڑھتی ہے ظاہر ہے کشمیر کی نئی نسل کو اردو سے دور کرنا دراصل ان کو کشمیر کی اسلامی تہذیب، اسلامی تاریخ، اسلامی ادب اور اسلامی کتب جو تقریباً سب فارسی اور اردو میں ہیں سے دور کرنا ہے اور کشمیری مسلمانوں اور اہل پاکستان کے درمیان جو لسانی یگانگت ہے اس کو بھی ختم کرنا ہے اور ہندی کے ذریعہ کشمیر کی نئی نسل اور بھارت کے درمیان لسانی یگانگت پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ یہاں بے شمار ایسے سکول قائم کئے گئے ہیں جہاں ہندی کو لازمی مضمون کے طور پڑھایا جاتا ہے، اور طلبہ و طالبات کو BOSE کے بجائے CBSE کا نصاب اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے جسکا نصاب اسطرح کا ہے کہ مسلمان بچوں میں عقیدہ توحید اور آخرت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔ نظام تعلیم کو زعفرانی رنگ میں رنگنے کیلئے بھارت سرکار انتہائی سرعت کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ بھاجپا نے دانستہ طور بھارت کی HRD کی وزارت ایک بارہویں جماعت تک پڑھی خاتون کو سونپی ہے تاکہ نظام تعلیم کے متعلق RSS کا تیار کردہ نصاب بغیر کسی رکاوٹ نافذ کیا جائے، بھارت کی کئی ریاستوں میں اسکولوں میں بھگوت گیتا کو لازمی مضمون اور سوریہ نمسکار کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ وردھا سکیم اور ودیا مندر سکیم طرز پر یہاں ''سروشکھشا ابھیان'' اور ''بھارت ساکھشر'' اسکیمیں رائج کر دی گئیں ہیں، بھارت کی قدیم مشرکانہ تہذیب اور ہندوازم کے دیو مالائی قصوں کے ذریعے بچوں کے دلوں میں بھارت کی 'عظمت' کا سکہ بٹھانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، بھارت کی سیاسی اور مذہبی شخصیات کے متعلق ان کے دلوں میں عزت اور عقیدت پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، ان کے جنم دنوں کی تقریبات میں بچوں کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر آمادہ کیا جاتا ہے ان تقریبوں میں شرکت کرنے پر ان کو طرح طرح کے انعامات اور اعزازات سے نوازا

جاتا ہے، آئے دن ان بچوں کو بھارتی افواج 'بھارت درشن' کیلئے بھیجتی ہیں تاکہ ان بچوں کے دلوں میں بھارت کے ساتھ وابستگی کے جذبات پیدا کئے جائیں۔

ذرائع ابلاغ:

کشمیر میں ۵۰۰ سے زیادہ اخبارات روزانہ شائع ہوتے ہیں۔تمام اخبارات کو بھارت سرکار کی طرف سے اِشتہارات دئے جاتے ہیں۔اِس کے علاوہ نیشنل کانفرنس، پی ڈی پی اور کانگریس بھی اپنا اپنا اخبار شائع کرتے ہیں۔چونکہ اِشتہارات ہی اخبارات کی شہ رگ ہوتے ہیں اِس لئے تمام اخبارات کو یہ ہدایات سرکار اور خفیہ اِداروں کی طرف سے دی گئی ہیں کہ وہ کیا شائع کر سکتے ہیں اور کیا شائع نہیں کر سکتے۔چونکہ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بھارت سرکار کی یہاں writ تقریباً ختم ہو چکی تھی اِسلئے وادی کے اخبارات تحریک آزادی کے ترجمان معلوم ہوتے تھے۔پھر جب بتدریج بھارت سرکار نے دوبارہ یہاں اپنی writ قائم کی اِس نے سب سے زیادہ توجہ یہاں سے شائع ہونے والے اخبارات پر دی اور اخبارات نے بھی آہستہ آہستہ اپنی وفاداریاں تبدیل کیں جو اخبارات ۱۹۹۶ء تک تحریک آزادی کے ترجمان معلوم ہوتے تھے وہ اب بھارت سرکار کے ترجمان اور مشیر معلوم ہوتے ہیں۔۱۹۹۶ء میں نیشنل کانفرنس کے احیاءِ نو میں ان ہی اخبارات نے کلیدی رول ادا کیا پھر ۲۰۰۲ء میں بھارتی خفیہ اداروں کی طرف سے پی ڈی پی کو عوام میں مقبول بنانے کی ذمہ داری اخبارات پر ڈالی گئی اُنہوں نے بھارتی خفیہ اداروں کی توقع سے بڑھ کر یہ ذمہ داری نبھائی تب سے لے کر اب تک نیشنل کانفرنس اور پی ڈی پی کے درمیان مصنوعی اختلافات ہی اِن اخبارات کی شہ سُرخی بنتے ہیں۔مضامین ہوں یا خبریں یا پھر اشتہارات بھارت نواز سیاسی اِداروں اور جماعتوں ہی کے متعلق ہوتے ہیں۔پھر ۲۰۱۴ء میں اِن اخبارات کو بھاجپا کے مشن +44 کو ممکن بنانے کے لئے کہا گیا۔

بلاشبہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر چونکہ اِس مشکل کام کیلئے رقومات بھی کافی اور دیگر مراعات بھی وافر دیے گئے، جموں کشمیر میں بھاجپا کے میڈیا اِنچارج خالد جہانگیر نے ۲۰۱۴ء اسمبلی انتخابات کے بعد اپنے ایک بیان میں کہا کہ ان کی جماعت بھاجپا نے یہاں کے اخبارات کو اِتنے روپے دیے ہیں کہ اب اگر دو سال تک اُن اخبارات کو سرکار کی طرف سے اِشتہارات نہ بھی ملیں ،اُن کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی ۔ یہ سب اخبارات کے مالکان کے ساتھ معاملہ تھا اِس کے علاوہ بھارت نواز سیاسی جماعتوں ،خفیہ اداروں اور بھارتی فوج اور پولیس نے اِن اخبارات کے اکثر نمائندوں ، رپوٹروں اور کالم نگاروں کو بھی شیشے میں اُتارا ہے۔ مالکان اخبار کو بھی اب یہ پوری طرح معلوم نہیں ہوتا کہ اُن کے رپورٹر اور ایڈیٹر کن کن جماعتوں اور اداروں سے تنخواہیں اور دیگر مراعات حاصل کرتے ہیں ۔بعض دیانت دار جرنلسٹوں کی شہادت کی بنیاد پر جب احقر نے یہ سب باتیں وادی کے ایک معروف اخبار کے مالک کی نوٹس میں لائیں اُنہوں نے اِس صورتِ حال کی تصدیق کی ۔ کشمیر میڈیا (mafia) نے ۲۰۱۴ء اسمبلی اِنتخابات کے حوالے سے جس طرح لوگوں کو یہاں Hypnotize کیا اور یہ تاثیر دینے کی بھرپور کوشش کی کہ یہاں تحریکِ مزاحمت نام کی کوئی چیز نہیں ہے یہ کشمیر کی صحافت کا سیاہ باب بن گیا ہے، یہی اخبارات ہمیشہ یہاں حریت پسندوں پر تنقید کرتے ہیں ،اِن پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں اور سب کچھ 'اظہاررائے کی آزادی' کی بنیاد پر کرتے ہیں ،مگر 'اِظہاررائے کی آزادی' کا یہ حق وہ صرف اپنے لئے ہی خاص سمجھتے ہیں ۔کوئی شخص یہی حق اگر اِن صحافیوں ، جرنلسٹوں اور رپوٹروں پر تبصرہ کرنے کی لئے استعمال کرنا چاہے تو اِس کو اِس کی ہرگز اِجازت نہیں دینگے ،بعض حریت پسندوں کے متعلق عوام میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے تحریک آزادی کا اِستحصال کیا ہے، اِس کو ذریعہ معاش بنایا ہے مگر کشمیری اخبارات کے بعض

مالکان، صحافیوں، جرنلسٹوں اور رپوٹروں نے جس طرح اور جس پیمانے پر اِس تحریک مزاحمت کا استحصال کیا ہے وہ ایک شرم ناک باب ہے کاش اِس بارے میں اس مضمون میں مستند ثبوت وشہادت کے ساتھ تفصیلی گفتگو کرنے کی گنجائش ہوتی۔ ہم نے اِن صحافیوں اور رِپوٹروں سے ہمیشہ یہی گزارش کی کہ وہ چونکہ ملتِ اِسلامیہ کشمیر کا حصہ ہیں اور اِنتہائی اہم اور حساس شعبہ سے منسلک ہیں وہ پہلے کشمیری مسلمان ہیں، پھر جرنلسٹ اِسلئے اپنی ذمہ داری اِسی احساس کے ساتھ نبھائیں بالکل جس طرح بھارتی اخبارات کے صحافی اور جرنلسٹ پہلے اپنے آپ کو بھارتی ہندو اور نیشنلسٹ سمجھتے ہیں، پھر جرنلسٹ وہ بھارتی ہندو نیشنلسٹ ہونے کی حیثیت سے تحریک مزاحمت کشمیر کے خلاف اِسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح دیگر بھارتی سرکاری ادارے کرتے ہیں۔ اِس لئے یہاں کے اخبارات کے صحافیوں، جرنلسٹوں اور رپوٹروں کو بھی تحریک مزاحمت کی آبیاری کو اپنی زندگی کی پہلی ترجیح بنانا چاہیے۔ مگر ۲۰۱۴ء اسمبلی اِنتخابات میں اُن کے رول نے ثابت کر دیا کہ اُن کو پیسہ دے کر کسی بھی طرح کے کام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسکے باوجود کہ کشمیری اخبارات پوری طرح بھارتی قومی رنگ اِختیار کر چکے ہیں۔ بھارتی اخبارات نے اپنا اپنا کشمیر Supplement شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور کئی اخبارات (TheTribune, Indian Express) باضابطہ اپنا اپنا کشمیر Supplement شائع کر رہے ہیں۔ موجودہ دور کو میڈیا کا دور (Media age) کہا جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب جمہوری ادارے کو لوگوں کا مضبوط ترین اِدارہ مانا جاتا تھا پھر عدلیہ کو عوام کا مضبوط ترین ادارہ مانا جاتا تھا مگر اب میڈیا کو دنیا کا سب سے طاقت ور ترین ادارہ مانا جاتا ہے آپ باریک بینی سے بھارتی نظام حکمرانی پر غور وفکر کریں بھارتی نظام حکمرانی پر بھارت کے دو اداروں میڈیا اور سراغرساں اداروں کا کنٹرول ہے۔ اِن دونوں اداروں پر

بھارتی برہمنوں کی آہنی گرفت ہےاور یہ برہمنی ٹولہ پوری طرح سے RSS کی ہدایت پر عمل کرتا ہے۔ ۲۰۱۴ء میں بھارت کے مرکزی انتخابات میں بھاجپا کو جو تاریخی کامیابی ملی، نریندرمودی(Media Made Modi) کووزارت عظمیٰ کی کرُسی پر بٹھانے کیلئے بھارتی صنعت کارگھرانوں نے بھارتی میڈیا کو ہی استعمال کیااور پوری دنیا جانتی ہے بھارتی میڈیا نے ہی'اب کی بار مودی سرکار' کوممکن بنایا۔مسئلہ کشمیر کے حل میں جوسب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ یہی دو بھارتی اِدارے ہیں۔ بھارت میں سیاسی تنظیمیں ہی کیا عدلیہ بھی اِنہی دو اِداروں میڈیا اورسراغرساں سے متاثر ہوکر کام کرتی ہے۔ کشمیر کو بھارت کا 'قومی' مسلہ بھارتی میڈیا ہی نے بنایا ہوا ہے۔ بھارتی میڈیا جھوٹ بولنے کا وسیع تجربہ رکھتا ہےاور جھوٹ بھی اِس اعتماد سے بولتا ہے کہ سادہ لوح لوگ اِس کو سچ ماننے لگتے ہیں یہ بدترین پرپگنڈا ابھی بھارتی میڈیا ہی کرر ہا ہے کہ کشمیر کی تحریک بھارتی سلمیت اور حاکمیت کیلئے خطرہ ہےاور یہ کہ کشمیری حریت پسند بھارت کوتوڑنا چاہتے ہیں حالانکہ ہم بھارت کوتوڑنا نہیں چاہتے ہیں کیونکہ ہم بھارت کی کسی جائزاورقانونی ریاست کو بھارتی یونین سے الگ نہیں کرنا چاہتے ہیں،ہم کشمیرکو جو بھارت کا حصہ نہیں ہےاور پوری دنیا یہ جانتی ہےاور مجلس اقوام متحدہ اس پر گواہ ہے بھارتی قبضے سے آزاد کرنا چاہتے ہیں لیکن بھارتی ذرائع ابلاغ ۱۹۴۷ء سے مسلسل بھارت کی ایک ارب سے زیادہ زیادہ آبادی کو یہ کہہ کرگمراہ کرر ہا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔اِس بھارتی ذرائع ابلاغ کے بدترین پروپگنڈا کی وجہ سے ہی مسئلہ کشمیر کو بھارت کا قومی مسئلہ اوراَنا کا مسئلہ بنادیا گیا ہے۔ یہ ایک بنیادی وجہ ہے کہ بھارتی سیاست کاروں کے لئے مسلہ کشمیرکواِس کے تاریخی تناظر میں حل کرنا مشکل ہو گیا ہے۔اگر بھارتی ذرائع ابلاغ پر مسلط یہ برہمنی ٹولہ مسئلہ کشمیر کے تاریخی حقائق سے بھارتی عوام کوآگاہ کرتا اورساتھ ہی اُن کو یہ بتایا جاتا کہ کس طرح تنازع کشمیر اِن کی

معاشی ترقی میں بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ بھارت میں ۳۹ فیصد لوگ جو خطہ اِفلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں اِس کی وجہ بھی تنازع کشمیر ہے جو اربوں روپے بھارت سرکار جموں کشمیر پر اپنے ناجائز اور جبری قبضے کو برقرار رکھنے پر خرچ کر رہی ہے وہی اربوں روپے بھارت میں غربت اور افلاس کے خاتمے کیلئے خرچ ہو سکتے تھے اور بھارت اور پاکستان کے درمیان مخاصمتوں کی بنیادی وجہ بھی یہی تنازع کشمیر ہے۔ پاک بھارت تعلقات ہمیشہ اگر خراب رہتے ہیں تو اِسی مسئلہ کشمیر کی وجہ سے، برصغیر پر جنگ کے بادل جو ہمیشہ منڈلاتے ہیں تو اِسی مسئلہ کشمیر کی وجہ سے، عوام بھارت میں اِن حقائق سے بے خبر ہیں۔ چونکہ ذرائع ابلاغ نے بھارت میں ایسی فضا بنائی ہے کہ اب بھارت میں کشمیر اور پاکستان دُشمنی لوگوں کیلئے حب الوطنی کی شہادت بن گئی ہے۔ بھارتی ذرائع ابلاغ اور سراغرساں ادارے کشمیر کے بارے میں نہ صرف بھارتی سیاسی جماعتوں اور عدلیہ کو گمراہ کر رہے ہیں بلکہ عوام کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ بھارت میں اگر کوئی سماجی کارکُن، دانشور یا حقوق اِنسانی کے لئے کام کرنے والا کوئی ذمہ دار کشمیریوں کے ساتھ اِظہارِ ہمدردی کرتا ہے یا مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل یہاں تک کہ صرف کشمیریوں کو اٹانومی دینے کی وکالت کرتا ہے اِس کو یہ بھارتی ذرائع ابلاغ فوراً غدار، بھارت کی سلمیت کا دُشمن قرار دیتا ہے اِس پر بھارتی قومی مفادات کے خلاف کام کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ نتیجتاً بھارت میں اب کوئی بھی شخص کشمیریوں کے حق میں بول کر اپنے آپ کو مشکلات میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

ہم نے بات کشمیری اخبارات کے متعلق شروع کی تھی۔ بھارتی اخباروں کے صحافی، جرنلسٹ اور رپوٹر جموں کشمیر کی تحریک مزاحمت کو بلیک آوٹ کرنا بھارتی قومی مفاد کا چونکہ تقاضا سمجھتے ہیں، اِس لئے اِس اِشو پر صحافیانہ دیانت داری اور غیر جانب داری بے معنی بن جاتی ہے۔ کشمیری صحافیوں اور جرنلسٹوں کا قومی مفاد کیا ہے؟

مظلوم کشمیریوں کی تحریک مزاحمت کی آبیاری اور حفاظت یا بھارت کے سامراجی مفادات کی حفاظت؟ تحریک مزاحمت کو ثانوی مسئلہ بنا کر اب یہاں کے اخبارات نے سرکاری سیاست کو اپنی پہلی ترجیح بنایا ہے اِسلئے اب یہ اخبارات ہی طے کر رہے ہیں کہ بھارت نواز سیاسی جماعتوں کے درمیان کس بات کو لے کر بحث ومباحثہ ہونا چاہیے اور یہ کہ عوام کو یہاں اب کن اِشوز ،معاشی ترقی ،رشوت سے پاک انتظامیہ، بے روزگاری ،جھیل ڈل کی صفائی ،صفاف وشفاف پانی کی دستیابی، مسلسل بجلی سپلائی، جنگلات کی حفاظت، ماحول کی آلودگی، سڑکوں کی کُشادگی اور کاروبار کی ترقی وغیرہ کو مسئلہ بنانا چاہیے۔ہم اِن باتوں کی اہمیت کے منکر نہیں ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیاملتِ اِسلامیہ کی ترجیحات یہی چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں لوگوں کے بنیادی مسائل ہیں اس لئے اِن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا! کیا ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۶ء تک لوگوں کیلئے یہ بنیادی مسائل نہیں تھے؟ پھر اِن کو کیوں نظرانداز کیا جاتا تھا؟ اخبارات صرف تحریکِ مزاحمت کے لئے کیوں وقف ہو گئے تھے؟ حقیقت یہ ہے لوگوں کی نہیں اخبارات کی ترجیحات تبدیل ہو گئی ہیں۔اب یہی اخبارات سیاسی حریت پسندوں (کشمیر میں دو طرح کے حریت پسند ہیں۔سیاسی حریت پسند اور نظریاتی حریت پسند) کا ایجنڈا مقرر کرتے ہیں۔ بھارتی سراغرساں اداروں کی معاونت سے کئی ننگ ملت منحرفین بھی اب صحافی اور کالم نویس بن گئے ہیں۔کس حریت پسند کو کتنی کوریج اور کس بیان کی کیسی کوریج اور اخبار کے کس صفحے پر ملنی چاہیے اِس بارے میں اخبارات کے صحافی محکمہ اطلات ونشریات اور سراغرساں اِداروں کے ذمہ داروں کی طرف سے ملی General guidelines کا اچھی طرح خیال رکھتے ہیں۔ یہاں حریت پسندوں میں جو Ideological forces اور bonafide forces ہیں اِن کو اخبارات نے تقریباً سیاسی منظر سے ہٹایا ہے اور یہاں اُن حریت پسندوں جو عملاً

یہاں حکومت کے لئے 'حسب اِختلاف' کا رول ادا کر رہے ہیں اور جو مشکوک قسم کے 'حریت پسند' اور ایسے حریت پسندوں کو جو کشمیر کے متعلق بھارتی نظریاتی عزائم اور ہمہ جہت جارحیت کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کو تحریکِ مزاحمت کے قائدین کے طور پر پروجیکٹ کیا گیا ہے۔ کس طرح پہلے جہادی جماعتوں کو اخبارات نے بلیک آوٹ کیا۔ پھر حریت پسند کالم نگاروں کا بائیکاٹ کیا گیا اور اب مزاحمتی تحریک کے اِسلامی تشخص کے نقیب نظریاتی حریت پسندوں کو بلیک اوٹ کیا جارہا ہے۔ یہ اخبارات ہی کی 'مہربانیاں' ہیں۔ اب یہاں کی مزاحمتی تحریک پر مطالباتی اور احتجاجی سیاست کا رنگ چھایا ہوا نظر آتا ہے۔

زرعی جارحیت:

جموں کشمیر ۱۹۴۷ء تک زرعی طور خود کفیل ریاست تھی۔ یہاں لوگوں کی اشیائے خوردونوش کی ضروریات مقامی طور پوری ہوتی تھیں۔ صرف نمک اور چائے بیرونی ریاستوں سے درآمد کی جاتی تھی۔ بھارت سرکار نے سامراجی منصوبوں کے تحت جموں کشمیر کی زرعی خود کفالت ختم کر دی ہے۔ اگرچہ اِس المیہ کے لئے اہل کشمیر کی مادہ پرستی، آرام طلبی، سہولت پسندی اور عیش پروری بھی ذمہ دار ہے تاہم یہ بھارتی منصوبوں کی ایک اہم کڑی تھی کہ جموں کشمیر کو غذائی اجناس کے لئے پوری طرح بھارت کا محتاج بنایا جائے۔ آج کشمیر کی حالت یہ ہے کہ کشمیریوں کی خوراک میں اِستعمال ہونے والی دو بنیادی چیزیں چاول او رسبزی بھارتی ریاستوں سے یہاں درآمد ہوتی ہیں، یہ چیزیں چونکہ جموں کے راستے سے کشمیر پہنچتی ہیں۔ اِس طرح یہ فیصلہ کہ کشمیری کس طرح کا چاول اور سبزی اِستعمال کریں گے اور کس قیمت پر کریں گے یہ فیصلہ دہلی کے برہمن اور جموں کے ڈوگرہ کرتے ہیں۔ بھارتی ریاستوں کے تاجروں نے دانستہ طور کشمیری تاجروں کی شہ رگ جموں کے ڈوگروں کی گرفت میں

دے دی ہے۔ کشمیر اب پوری طرح زرعی طور بھارت کا محتاج ہو گیا ہے۔ اِس محتاجی کا اچھا احساس اہلِ کشمیر کو ۲۰۰۸ء میں اِس وقت دلایا گیا جب جموں کے ڈوگروں نے کشمیر کا economic blockade کیا اور یہاں غذائی اجناس کی قلت نے قحط جیسی صورت حال پیدا کر دی۔ کشمیر کے جو قدرتی وسائل ہیں اُن کی یا تو پوری طرح نشو نما نہیں ہوئی اگر بعض وسائل کی بھارتی مفادات کے پیشِ نظر ہوئی بھی تو اُن کا بڑے پیمانے پر اِستحصال ہو رہا ہے۔ بھارت سرکار اور اِن کے کشمیری آلہ کاروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ یہاں سیاحت کو فروغ دیا جائے اِسلئے نہیں کہ یہ صنعت کشمیریوں کی معیشت کی شہ رگ ہے اور کشمیر کی معاشی ترقی سیاحت کے فروغ سے مشروط ہے (GDP میں شعبہ سیاحت کا حصہ صرف 7 فی صد ہے) بلکہ اِس صنعت کو فروغ دینے کی آڑ میں بھارت سرکار اپنے کئی سامراجی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے جب سیاحت ہی کشمیر کی مرکزی معاشی صنعت بن جائے گی۔ اِس سے کچھ اِس طرح کی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی: کشمیر کی اِس صنعت (سیاحت) کو کب اور کتنا فروغ دینا ہے یہ اہلِ کشمیر نہیں بلکہ بھارت سرکار کرے گی معنی یہ کہ اِس شعبہ میں بھی اہلِ کشمیر بھارتی سرکار کی خواہش اور مرضی کے سامنے بے بس ہو جائیں گے۔ ہاں کشمیریوں کی بنیادی ذمہ داری یہ بن جاتی ہے کہ وہ سیاحتی مرکز کے متعلق عالمی رواج کے مطابق میزبان کی حیثیت سے سیاحوں کیلئے 'ہر چیز' میسر رکھیں۔ اِن کی 'ہر ضرورت' کا خیال رکھیں۔ اہل کشمیر کی بد دیانت مزاج نے کشمیر آرٹس کو بھی بھارت کا محتاج بنا دیا ہے۔ یعنی کشمیر آرٹس کے نام پر جو چیزیں اکثر یہاں فروخت ہوتی ہیں، شال، جولری، سلک، لکڑی کے ایٹم وغیرہ ۸۰ فیصد بھارتی ریاستوں سے درآمد کی جاتی ہیں۔ Export potential سے مالا مال ریاست جموں و کشمیر اب پوری طرح Import dependent بن گئی ہے، 1947ء میں کشمیر میں

اگر 100 روپے کہ چیزیں باہر کی ریاستوں سے درآمد ہوتی تھیں تو 300 روپے کی چیزیں برآمد ہوتی تھیں، اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ اگر 100 روپے کہ چیزیں بھارتی ریاستوں سے درآمد ہوتی ہیں تو صرف 17 روپے کی چیزیں برآمد ہوتی ہیں اور سالانہ تجارتی خسارہ 33000 کروڑ تک پہنچ گیا ہے، اور عملاً کشمیر کی معاشی خود کفالت ختم ہوچکی ہے اور ریاست اب consumer state بن کر رہ گئی ہے۔ بھارت اور دیگر ممالک سے یہاں آنے والے سیاح پہلے ہوٹلوں اور ہاوسبوٹوں میں قیام کرتے تھے۔ اِسلئے اِن کی ہر طرح کی کثافت سے یہی دو جگہیں خراب ہو جاتی تھیں۔ دس سال پہلے سیاحوں کی کثافت کو گھر گھر پہنچانے کے لئے حکومت نے Paying Guest اسکیم شروع کی یعنی حکومت نے ایسے گھر والوں کو ساڑھے تین لاکھ روپے کی رقم دینے کا فیصلہ کیا جو حکومت کے محکمہ سیاحت کے ساتھ یہ ایگریمنٹ کریں کہ وہ سیاحوں کو اپنے گھروں میں پینگ گیسٹ کے طور رکھنے کے لئے تیار ہوں، پہلے سیاحوں کی 'ہر طرح کی ضرورت' کا خیال رکھنا صرف ہوٹل اور ہاوس بوٹ مالکان کا کام ہوتا تھا اب اِن گھر والوں کو بھی اِن سیاح مہمانوں کی 'ہر ضرورت کا خیال رکھنا پڑتا ہے' مرد تو ظاہر ہے دن بھر گھر میں ہوتے نہیں اِسلئے یہ خیال اِن گھروں کی عورتوں کو ہی رکھنا پڑتا ہے۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ غور کیجئے کشمیر کو Red Light Area بنانے کی کوشش تو نہیں ہورہی ہے! ۱۹۸۹ء تک امرناتھ یاترا کیلئے چند ہزار یاتری ہی بھارت سے کشمیر آتے تھے پچھلے ۲۰ سالوں میں اس تعداد میں زبردست اِضافہ ہوا اب ہر سال لاکھوں کی تعداد میں بھارتی یاتری آتے ہیں، بھارت کی ہندو دہشت پسند تنظیمیں بھارت کی تمام ریاستوں میں ہندوؤں کو امرناتھ یاترا پر یہاں آنے کی ترغیب دیتی ہیں، اُن میں اکثر یاتریوں کو مفت ٹکٹ دی جاتی ہے، پہلگام میں کئی جگہوں پر اِن کیلئے لنگر لگائے جاتے ہیں جہاں اُن کو مفت کھانا دیا جاتا ہے، ظاہر ہے

یہ اب مذہبی نہیں سیاسی یاترا بن گئی ہے۔ اِس بات کی شہادت یہ ہے کہ جب ۲۰۰۸ء میں ماہر ماحولیات نے یہ پیشین گوئی کی کہ برف سے بننے والے یہ ستون (جس کو ہندوؤں کا ایک فرقہ شیولنگم مانتا ہے) مستقبل میں یا تو بنے گا ہی نہیں یا اگر بنے گا بھی پھر چند ہی دنوں میں پگھل جائے گا، پہلے ہی ہندوؤں کے بعض مذہبی رہنما یہ بات بار بار کہہ چکے ہیں کہ دو ماہ تک امرناتھ یاترا کو جاری رکھنا ہندو شاستروں کے خلاف ہے اور اِس تعداد میں یاتریوں کی آمد سے ماحولیات پر بھی خراب اثرات پڑ رہے ہیں، اِس خدشہ کے پیشِ نظر اِس وقت ریاست جموں کشمیر کے بھارتی گورنر سنہا جو آر ایس ایس سے وابستہ ہیں نے فوراً آگرہ سے سنگِ مرمر کا 'لنگم' بنوانے کا انتظام کیا تا کہ برف سے بنے ہوئے ستون (لنگم) کے پگھلنے پر وہاں اُس کو نصب کیا جا سکے اور اِ سطرح یاتریوں کی آمد جاری رہے۔ اب بانڈی پورہ میں ایک اور گپھا دریافت ہوئی ہے بھارتی ہندوؤں کا کہنا ہے ایک دفعہ امرناتھ گپھا میں پاروتی کسی بات کو لے کر شیو سے ناراض ہوگئی تھی پھر اُس نے بانڈی پورہ آ کر اِسی دریافت ہوئی گپھا میں قیام کیا تھا۔ اِس گپھا کے اندر ظاہر ہے ایک بڑے سُراخ کا ہونا ضروری ہے۔ تب ہی تو ہندو اِس گپھا میں پاروتی کی 'یونی' کی درشن کر سکیں گے! شرک اور فحاشی لازم و ملزوم ہے۔ امرناتھ یاترا کو ہندوؤں کی اہم یاترا 'ویشنو دیوی' یاترا سے بھی اہم بنا دیا گیا ہے، حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ یہاں کے کشمیری پنڈت بھی امرناتھ یاترا کی اہمیت کے کچھ خاص معتقد نہیں ہیں۔ 1989ء سے پہلے یہ یاترا یہاں پر معمولی سطح پر غیر سر کاری طور ہوتی تھی مگر ریاست کے بھارتی وزیرِ اعلیٰ فاروق عبداللہ نے پھر امرناتھ شرائین بورڈ قائم کر کے اِس کو باضابطہ سرکاری مسئلہ بنا دیا۔ اگر یہ یاترا واقعتاً اہم ہندو یاترا ہوتی پھر ۱۹۸۹ء سے پہلے بھی لاکھوں کی تعداد میں بھارت کے ہندو گپھا کا درشن کرنے کیلئے یہاں آتے مگر ایسا بالکل نہیں ہے۔

بھارتی حکومت کا سامراجی منصوبہ:

دراصل بھارت سرکار کروڑں بھارتی ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا سیاسی اِستحصال کر کے اُن کو یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ کشمیر ہندوؤں کی اہم مذہبی جگہ ہے۔اِس طرح بھارت سرکار کشمیر کو بھارتی ہندوؤں کا مذہبی مسلہ بنانا چاہتی ہے۔بالکل جس طرح یہودیوں کے سیاسی رہنماؤں نے فلسطین جہاں ۱۸۴۵ء میں صرف ۱۲۰۰۰ یہودی آباد تھے اور دُنیا بھر کے یہودی شاذ و نادر ہی 'ہیکل سلیمانی' میں حاضری دینے کے لئے فلسطین کا سفر کرتے تھے، کو یہودیوں کا وطن بنانے سے پہلے تمام دُنیا میں آباد یہودیوں کے لئے فلسطین کو مذہبی مقام قرار دیا۔پھر 'ہیکل سلیمانی' کے ساتھ ان کی مذہبی وابستگی کا سیاسی استحصال کیا گیا پھر دنیا کے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کا سلسلہ شروع ہوا (جنوری کے پہلے ہفتے میں بھارتی پارلیمان نے مغربی پاکستان اور بھارتی ریاستوں میں رہ رہے ہندو مہاجرین کو (اور ان کی آڑھ میں بھارتی ہندووں کو) جموں کشمیر میں بسانے کا اعلان کر دیا) ظاہر ہے جب فلسطین کے ساتھ یہودیوں کی مذہبی وابستگی پیدا ہوگئی، پھر یہودیوں کی دلی تمنا یہی بنی کہ مسلمانوں کو فلسطین سے نکال کر خود وہاں آباد ہوں۔بالکل اِسی طرح کی تمنا بھارت سرکار بھارتی ہندوؤں میں پیدا کر رہی ہے اور پھر یہاں جموں کشمیر میں بھی یہی ہونا ہے کہ مسلمانوں کا یہاں صفایا کیا جائے تاکہ ہندوؤں کو پھر یہاں آباد کیا جائے۔بھارت سرکار کشمیر پر اپنے قبضے کو ہندوؤں کا مذہبی تقاضا اور ہندو جذبات کی پاس داری قرار دینا چاہتی ہے۔نہ کہ اِسلام، مسلمان، پاکستان اور کشمیر دُشمنی۔ایسی صورت حال میں UNO قرار دادیں کیا ہری سنگھ کا نام نہاد اِلحاق بھی بے معنی قرار پائے گا، جیسا کہ ریاست کے سابقہ بھارتی گورنر اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ بھارتی سنسکرتی (ہندو تہذیب) کا کشمیر کے ساتھ ہزار ہا سالہ تعلق ہے اِسلئے اِس تعلق کو صرف الحاق کے حوالے سے ہی نہیں

دیکھا جانا چاہیے۔ RSS کے سابقہ سربراہ راجو بھیا نے کچھ سال پہلے اپنے ایک اِنٹرویو میں کہا تھا جب مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مکّہ و مدینہ کو غیر مسلموں کی تحویل میں دیں ہمارے لئے یہ کیسے ممکن ہے امرناتھ تیرتھ کو مسلمانوں کی تحویل میں دیں۔ یہی ذہنیت تھی جس نے پہلگام میں (بھارت میں پہل گام کو پہل گاؤں اور امرناتھ نگر کہتے ہیں) ۸۰۰ کنال زمین حاصل کر کے وہاں 'امرناتھ نگر' (East India Company) قائم کرنے کی کوشش ۲۰۰۸ء میں کی۔ اِسکے لئے PDP اور کانگریس کے ننگِ آدم کشمیریوں کے خدمات حاصل کئے گئے تھے۔ تاہم بقولِ گورنر سنہا اِس کے قانونی تقاضے بھارتی سراغرساں اِداروں کے بدنام آلہ کار PDP کے ننگ ملت و خلائق مظفر حسین بیگ نے پورے کئے تھے۔ سنہا نے آر ایس ایس کے اخبار Organiser کو دیئے گئے اپنے ایک اِنٹرویو میں یہ بھی کہا کہ امرناتھ کے لئے ۸۰۰ کنال زمین حاصل کرنے کے بعد اُن کا اِرادہ سرینگر میں ایک بین الاقوامی ہندو یونیورسٹی ''شاردا پیٹھ یونیورسٹی'' نام سے قائم کرنے کا اِرادہ تھا جس کے لئے اُن کو ۱۰۰۰ کنال زمین الاٹ کرنے کا وعدہ ملت فروش فاروق عبداللہ نے کیا تھا۔ یہ یونیورسٹی کشمیر میں ہندمت (شیومت) کی احیاء کے لئے قائم کی جا رہی تھی۔

بھارت سرکار چونکہ کشمیریوں کی آرام طلب، سہولت پسند اور عیش مزاجی سے بخوبی واقف ہے اِسلیئے اِس نے بھارتی ریاستوں کے مزدوروں کو کشمیر کا رُخ کرنے کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ (بھارت سے آئے یہ مزدور اور گداگر سیاحوں میں شامل ہیں) کشمیر میں اب ۸۰ فیصد مزدور بھارتی ریاستوں سے آتے ہیں۔ نائی، درزی، کھیت اور اینٹ بھٹوں پر کام کرنے والے مزدور، تعمیراتی کام کے کاریگر اور مزدور، ریسٹورنٹوں اور ہوٹلوں میں کام کرنے والے باورچی، حلوائی اور بیکری بنانے والے مزدور، روزمرہ چیزیں فروخت کرنے والے ریڈھ بان اور چھاپری

فروش اور گھریلو ملازم سب بھارتی ریاستوں سے آتے ہیں اور حد یہ کہ اب مسجدوں کے امام بھی بھارتی ریاستوں سے ہی آتے ہیں۔ معلوم نہیں وہ دارالعلوموں میں پڑھے ہوئے مولوی ہیں یا پھر بھارتی سراغرساں اِداروں سے فارغ التحصیل مولوی! یہاں اب باضابطہ اِن بھارتی مزدوروں کی کالونیاں بن گئی ہیں۔ اِن کی موجودگی کی وجہ سے کشمیر کا معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ اِن کی یہاں موجودگی سے جرائم اور فحاشی بہت بڑھ گئی ہے۔ پھر بھی اہلِ کشمیر اِن کو اپنے گھروں میں مہمان بناتے ہیں۔ گھر میں پانچ چھ کمرے ہوں تو چار کمرے اِن کاریگروں اور مزدوروں کو کرایہ پر دیئے جاتے ہیں پھر اِن گھروں میں کیا کچھ ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

مذہب کی بنیاد پر اِستحصال، خطرناک بھارتی منصوبہ:

جموں کشمیر کے مسلمان اگر پاکستان اور اہل پاکستان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں تو ظاہر ہے اِسکی وجہ وہ اِسلامی نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا۔ پاکستان اِسلام کی بنیاد پر قائم ہوا، پاکستان کا آئین اِسلامی ہے، پاکستان ۲۰ کروڑ مسلمانوں کا ملک ہے ملتِ اسلامیہ جموں کشمیر کی ملتِ اِسلامیہ پاکستان کے ساتھ کتنی گہری اور قلبی وابستگی ہے اُس کی بے شمار مثالیں یہاں ملتی ہیں، جس طرح مملکت پاکستان ہمیشہ مصیبت، تکلیف اور پریشانیوں کے وقت کشمیریوں کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اگر گہرائی سے پاکستان کے موجودہ پریشان کن حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے اِس کیلئے بھی کشمیر ہی بہت بڑی وجہ ہے۔ پاکستان کی سلامتی، خوشحالی اور ترقی کیلئے ہر کشمیری مسلمان دعا کرتا ہے، ممکن ہی نہیں یہاں عیدین منائی جائیں جب تک نہ پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی رویت ہلال کا اعلان نہ کرے۔ چند سال پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر یوگیندر سکند نے اپنے ایک مضمون میں یہ انکشاف کیا تھا کہ بھارت سرکار اِس بات پر غور کر رہی ہے کہ جس دینی جذبہ کی بنیاد پر کشمیری مسلمان ۱۸

کروڑ پاکستانی مسلمانوں کی طرف دیکھ رہے ہیں اِسی دینی جذبہ کی بنیاد پر اُن کا رُخ بھارت کے ۲۰ کروڑ مسلمانوں کی طرف کیوں نہیں موڑا جا سکتا؟ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس پر ۱۹۴۷ء سے بالکل ہی کام نہیں ہوا ہے، اِس لئے یہ طے ہوا کہ علمائے ہند کو اِس کام پر مامور کیا جائے، پچھلے چند سالوں سے اب مسلسل یہاں دینی جماعتوں اور دارالعلوموں کی دعوت پر بھارت کے علماء آتے ہیں اُن کے لئے یہاں بڑے بڑے 'دینی' اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں۔ جس میں وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں ۔جموں کشمیر پر ناجائز بھارتی قبضے اور ملتِ اِسلامیہ پر بھارتی افواج کے طرف سے ڈھائے جا رہے مظالم پر وہ کبھی لب کشائی نہیں کرتے کیونکہ بقول اُن کے وہ یہاں صرف 'تبلیغ دین' کے لئے آتے ہیں، وہ چونکہ سیاسی لوگ نہیں ہیں۔ اِس لئے وہ کیسے تنازع کشمیر اور اہل کشمیر کی مزاحمت پر بات کر سکتے ہیں؟ ہم یہاں اِس بات پر گفتگو نہیں کریں گے کہ اِسلام میں دین وسیاست کی تفریق کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، صرف ایک حدیثِ نبوی یہاں نقل کریں گے:

مسلم نے ابو حازم سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے کہا: میں پانچ سال تک ابو ہریرہؓ کی صحبت میں رہا۔ میں نے اُنہیں نبی ﷺ سے یہ بیان کرتے ہوئے سُنا کہ آپ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''بنی اِسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اُس کے جگہ لے لیتا، جب کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور اِنہیں اِن کا حق ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کے رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اُس نے اُنہیں دی۔''

بھارت کی تقریباً تمام دینی جماعتیں اور علماء کفار کی قیادت والی سیکولر سیاسی

جماعتوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور بعض علماء تو اِن جماعتوں کے ساتھ وابستہ بھی ہیں اور اِن کی ٹکٹ پر اِنتخابات بھی لڑتے ہیں اور اِنتخابات کے دوران اعلانیہ طور یہ دینی جماعتیں، دارالعلوموں کی مہتمم اور علماء کفار کی قیادت والی سیکولر سیاسی جماعتوں کی حمایت کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کانگریس، بہوجن سماج پارٹی، سماج وادی پارٹی اوراب بھاجپا کے ساتھ وابستگی یا اُن کے حمایت کرنا ان ''دینی لوگوں'' کے لئے جائز ہے؟ جموں کشمیر کی تحریک مزاحمت کی حمایت کرنا 'بے دینی' اور 'ناجائز' کیوں بن جاتی ہے؟ اب آیئے دیکھتے ہیں یہاں منعقد ہونے والے، 'دینی اِجتماعات' میں دینی باتوں کے ساتھ ساتھ اور کس کس طرح کی باتیں ہوتی ہیں:

۱۔ جغرافیہ اللہ تعالیٰ بناتا ہے انسان اِس کو تبدیل نہیں کرسکتا!

۲۔ کشمیر ہندوستان کا تاج ہے کوئی بھی شخص تاج چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتا!

۳۔ کشمیر اولیاء کی سرزمین ہے یہاں بم اور بارود کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے!

۴۔ ہندوستان کی سرزمین انبیاء کی سرزمین ہے، یہاں حضرت آدمؑ کا آسمان دُنیا سے نزول ہوا ہے!

۵۔ ہندوستان کے لوگ دل کے اچھے ہیں اِسلئے اُن سے نفرت نہیں محبت کریں!

۶۔ دہشت اور تشدد سے مسائل حل نہیں ہوتے صرف خون بہتا ہے!

۷۔ کشمیری مسلمانوں نے ہمیشہ ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اب کچھ لوگ ہندوستان کے مسلمانوں کو کشمیری مسلمانوں کی قیادت سے محروم کرنا چاہتے ہیں!

ملتِ اِسلامیہ جموں وکشمیر کی دینی قیادت وسیادت اگر ہندوستان کے علماء کو حاصل ہو جاتی ہے جس کی مسلسل کوششیں ہو رہی ہیں یہ ملتِ مظلوم کے لئے تباہ کن

ثابت ہوگی، ۱۹۴۷ء سے بھارت سرکار ظلم وتشدد، زور وزبردستی، دھونس ودباؤ اور دجل وفریب کے ذریعہ ملتِ کشمیر کو انڈین نیشن سٹیٹ کا حصہ بنانے کی کوشش کررہی ہے مگر بفضل تعالیٰ بھارت سرکار اِس میں بُری طرح ناکام ہوئی ہے۔ملتِ کشمیر کے دِلوں میں بھارت سرکار کیلئے انتہائی قسم کی عداوت اور نفرت ہے(مظلوم کی ظالم کے ساتھ نفرت فطری بات ہے) جس کا اِظہار وہ جب بھی موقع ملتا ہے کرتے ہیں۔ملتِ کشمیر کا دِلی طور انڈین نیشن سٹیٹ اور انڈین سوسائیٹی کا حصہ نہ بننے کی وجہ سے بھارت سرکار کے لئے جموں کشمیر پر ناجائز قبضہ برقرار رکھنے کے لئے اب ایک ہی آپشن ہے وہ یہ کہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے اور اب اِسی آپشن پر سرعت کے ساتھ بھارت سرکار کام کررہی ہے۔ہندوستان کے علماء جو ملتِ اسلامیہ جموں وکشمیر کو انڈین نیشن سٹیٹ کا حصہ بنانے کی کوشش کررہے ہیں وہ اِس سے بھی خطرناک ہے وہ یہ کام چونکہ 'دین' کی بنیاد پر کررہے ہیں اِسلئے ظاہر ہے جب ملت کشمیر کو یہ بتایا جائے گا کہ یہ دین کا تقاضا ہے کہ وہ بھارت کا حصہ بنی رہے تو اِس سے بھارت کے متعلق کشمیریوں کی قلبی حالت تبدیل ہوسکتی ہے اور پھر جموں کشمیر کے مسلمانوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ دین کے نام پر اُن کا بآسانی استحصال ہوتا ہے مگر ہمیں اُمید ہے بھارتی سیاہ سامراج کا جو دہشت ناک چہرہ ملتِ مظلوم نے ۱۹۴۷ء سے بالعموم اور ۱۹۸۹ء سے بالخصوص دیکھا ہے کبھی بھی کسی غیرت منداور زندہ ضمیر کشمیری مسلمان کے دِل میں بھارت کے لئے نرم گوشہ پیدا نہیں ہوسکتا، البتہ 'دین' کی بنیاد پر کشمیر کی ملتِ مظلوم کو ظالم بھارت کے ساتھ جوڑنے والوں سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔

کشمیریوں کی تفریق در تفریق:

جموں کشمیر کے لوگوں کو علاقائی، مذہبی، لسانی، نسلی، سیاسی اور مسلکی بنیادوں

پر تقسیم کرنا ۱۹۴۷ء سے ہی بھارت سرکار کی اوّلین ترجیح رہی ہے اور جموں کشمیر کے سابقہ بھارتی گورنر گریش چندر سکسینہ نے اِس بارے میں باضابطہ ایک ریسرچ دستا ویز تیار کر کے بھارت سرکار کو دی تھی۔ مثلاً ڈوگرہ (ڈوگرہ زبان۔ ڈوگرہ سبھا وغیرہ) سکھ (پنجابی زبان۔ سکھ پربھندک سمیتی وغیرہ) بودھ (پالی زبان۔ بودھ ایسوسیشن وغیرہ) پنڈت (ہندی، سنسکرت زبان۔ پنڈت سبھا وغیرہ) گجر (گوجری زبان۔ گجر یونین وغیرہ)، پہاڑی (پہاڑی زبان۔ پہاڑی فورم وغیرہ) بکر وال (پہاڑی۔ بکر وال یونین وغیرہ) سنی (کشمیری زبان۔ حنفی۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ جماعتی۔ سلفی۔ اہلحدیث۔ بزمی۔ غربا وغیرہ) شیعہ (کشمیری زبان۔ قدیم۔ جدید۔ آغائی۔ انصاری وغیرہ) بھارت نواز (نیشنلی۔ کانگریسی۔ PDP) حریت پسند (حریت کانفرنس۔ گ، حریت کانفرنس۔ ع، حریت کانفرنس۔ ش، JKLF وغیرہ) اِن تمام طرح کی دینی، نسلی، لسانی اور سیاسی شناختوں کی بھارت سرکار حوصلہ افزائی کرتی ہے (تفریق در تفریق کی) موقف اور نظریہ پر یہاں بات نہیں ہو رہی ہے۔ بھارت سرکار علیحدہ علیحدہ طور اِن سب کے ساتھ ڈیل کرتی ہے تاکہ وہ کسی ملی مقصد کیلئے متحد نہ ہوں۔ بھارت نواز سیاسی جماعتیں ہوں یا حریت پسند جماعتیں بھارت سرکار اِن میں تفریق در تفریق کی ہی خواہاں ہے مثلاً جب تحریک مزاحمت کی قیادت آزادی کی بات کرتی ہے بھارت سرکار فوراً یہ سوال کرتی ہے کہ یہ مزاحمتی قیادت کن کی نمائندگی کرتی ہے؟ کون آزادی چاہتا ہے؟

۔کیا ڈوگرہ آزادی چاہتے ہیں!

۔کیا سکھ آزادی چاہتے ہیں!

۔کیا بودھ آزادی چاہتے ہیں!

۔کیا پنڈت آزادی چاہتے ہیں!

۔کیا گجرآزادی چاہتے ہیں؟

جموں کشمیر میں لوگوں کوعلاقائی، مذہبی ،نسلی ،لسانی ،مسلکی اور سیاسی بنیادوں پرتقسیم کرنا بھارت سرکار کی بہت بڑی شاطرت اورسامراجی کامیابی ہے۔یہی وجہ ہے جب بھی بھارت سرکارحریت کانفرنس کو بات چیت (فوٹوسیشن) کی دعوت دیتی ہے ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتی ہے کی حریت کانفرنس پوری ریاست اورکُل آبادی کی نمائند گی نہیں کرتی ہے۔حالانکہ مسلہ کشمیر کی تاریخی بنیادوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ اِس علاقائی،نسلی ،لسانی ،مسلکی اور سیاسی تفریق سے متاثرنہیں ہوتی ہیں کیونکہ اصولی طور مسلم اکثریت والی اِس ریاست کو پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔کشمیریوں کا مطالبہ رائے شماری بھی دراصل یہاں کی مسلم اکثریت کی فیصلہ کُن رائے پرمبنی ہے۔اگر بھارت سرکارکولگتا ہےلوگوں کی اِس تفریق درتفریق کے بعدرائے شماری اِس کےحق میں ہوگی اِس کو چاہیے بلا تاخیرمجلس اقوام متحدہ کی نگرانی میں یہاں رائے شماری کرائے کیاپریشانی ہے؟

احقر کی ذاتی رائے:

احقر کی ذاتی رائے ہےہمیں رائے شماری کا مطالبہ کرنے کے بجائے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ جن اصولوں کی بنیاد پر برصغیر میں ۱۹۴۷ء میں مسلم اکثریتی ریاستوں اورصوبوں اور ہندواکثریتی ریاستوں اورصوبوں کی پاکستان اورمتحدہ ہندو بھارت کی صورت میں تشکیل ہوئی انہی اصولوں (دوقومی نظریہ) کی بنیاد پرجموں کشمیر کےمستقبل کا بھی تعین ہونا چاہیے۔اللہ نہ کرے اگر جموں کشمیرمزید چالیس یاپچاس سال تک بھارت کےزیرِ قبضہ رہابالکل امکان ہےجموں کشمیرکی مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل ہوجائے گی پھراُس وقت رائے شماری کانتیجہ ہماری توقعات کے برعکس بھی نکل سکتا ہے۔جموں کشمیرمیں بھارتی سامراجی منصوبوں کی نشاندہی کرنے کے بعدہم

قائدینِ ملت اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں چند گذارشات رکھنا چاہتے ہیں:

......جموں کشمیر میں ہر محاذ پر تمام دستیاب وسائل کے ساتھ ہمیں جامع اور مسلسل مزاحمتی تحریک دینی فریضہ سمجھ کر ایقان، اعتماد، اخلاص، ایثار، اقدام، اِستقلال اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر جاری وساری رکھنی چاہیے۔

......جموں اور لداخ کے مسلمانوں تک پہنچنے کی ضرورت ہے ان کو وادی کے مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی اور سماجی اکائی بننے کی ضرورت کا احساس دلایا جائے، اسکے علاوہ ان دونوں صوبوں کے مسلمانوں کے ساتھ مستقل سماجی تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے اس ضمن میں دو باتوں پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ کشمیر اور جموں کے مسلمان باہم رشتہ داریاں قائم کریں اور جموں صوبے کے طلبہ اور طالبات کشمیر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ حاصل کریں۔

......لوگوں میں دینی اور نظریاتی بنیادوں پر مزاحمتی تحریک کے متعلق بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے ان کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے کہ کفار کی حاکمیت پر رضامندی شرک ہی کی ایک صورت ہے اسلئے تحریک مزاحمت دینی فریضہ ہے نہ کہ مروجہ سیاسی ہنگامہ آرائی۔

......حریت پسند قیادت بغیر کسی ہچکچاہٹ مسلح جدو جہد کی ذمہ داری قبول کرے اور متحدہ جہاد کونسل کے سر براہ کو عسکری جد و جہد کے قائد کے حیثیت سے حریت کانفرنس کا رُکن بنایا جائے اور یہ اصولی موقف اختیار کیا جائے جب تک جموں کشمیر میں بھارتی فوج موجود ہے مجاہدین کی مسلح جدوجہد پر اعتراض کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور یہ کہ مجاہدین ملتِ اِسلامیہ جموں کشمیر کے ماتھے کا جھومر ہے۔

......بھارت نواز تمام سیاسی جماعتوں کا بغیر کسی تمیز وتفریق کا بائیکاٹ کیا جائے۔اُن کے لیڈروں اور کارکنوں کا سماجی مقاطع کیا جائے، اُن کے جلسے جلوسوں

میں شرکت کرنے سے لوگوں کو باز رہنے کے لئے کہا جائے اور اِسلئے ضروری ہے ملت کشمیر اسوہ ابراہیمی پر عمل پیرا ہو۔

......اِن تمام کشمیری پولیس عہدیداروں کا مکمل سماجی مقاطع کیا جائے، اُن کے ساتھ بالکل کسی بھی طرح کا تعلق نہ رکھا جائے جو مجاہدین اور حریت پسندوں کے خلاف کسی بھی طرح کی کارروائی میں ملوث ہوں۔

......اہلِ علم و دانش کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو بھارتی سامراجی منصوبوں کی نشاندہی کرے گی اور ساتھ ہی وقتاً فوقتاً مزاحمت کے متعلق اُس کو موثر اور نتیجہ خیز بنانے کیلئے اپنی آراء اور تجویزیں حریت قیادت کو دے گی۔

......حریت پسند قائدین جموں کشمیر کی بھارت سے مکمل آزادی کے واضح اور غیر مبہم موقف پر متحد ہوں یا پھر ایک قسم کی کارڈینیشن قائم کریں تاکہ بھارت کے جارحانہ سامراجی منصوبوں کی موثر مزاحمت کی جاسکے، اس ضمن میں ذاتی اِختلافات اور پسند اور ناپسند کو بالائے طاق رکھنے کی ضرورت ہے۔

......حریت پسند تحریک مزاحمت سے منسلک ثانوی مسائل پر فوکس کرنے کے بجائے اپنی پوری توجہ اور صلاحیتوں کو تحریک مزاحمت کو ہمہ جہت، ہمہ گیر، اقدامی اور نتیجہ خیز بنانے کیلئے اِستعمال کریں۔

حریت پسند قیادت امریکہ، برطانیہ، فرانس، چین، روس، سعودی عرب، ایران، جرمنی، جاپان، اِنڈونیشیا میں اپنے سفیروں کو تعینات کرے جو وہاں کشمیر کے حوالے سے حکومتی اور غیر حکومتی اِداروں میں بیداری پیدا کریں گے اور ساتھ ہی کشمیر میں بھارتی جارحیت سے لوگوں کو آگاہ کریں گے۔

کسی صورت نہیں جھکتی جبیں پیشِ بتاں میری
بلند ہوتی رہی ہے بتکدوں میں بھی اذان میری
(مشتاق کشمیری)